(I)

کس نظر سے آج وہ دیکھا کیا     دل مرا ڈوبا کیا ، اچھلا کیا
حسن سے بھی ، دل کو بے پروا کیا     کیا کیا اے عشق تو نے کیا کیا
تو نے سو سو رنگ سے پردہ کیا     دیکھنے والا تجھے دیکھا کیا
وہ بھی نکلی اک شعاع برقِ حسن     میں جسے اپنی نظر سمجھا کیا
لذّتِ ناکامیابی! الاماں!     تو نے ہر امروز کو فردا کیا
ان کے جاتے ہی یہ حیرت چھا گئی     جس طرف دیکھا کیا ، دیکھا کیا

مجھ سے قائم ہیں جنوں کی عظمتیں
میں نے صحرا کو جگؔر صحرا کیا

(II)

عشق کی یہ نمود پیہم کیا؟     ہو تمھیں تم اگر تو پھر ہم کیا؟
جز ترے کچھ نظر نہیں آتا     آرزو بن گئی مجسّم کیا؟
ان نگاہوں کے سب کرشمے ہیں     ورنہ یہ اضطرابِ پیہم کیا؟
موت کی نیند چھائی جاتی ہے     کہہ چکا میں فسانۂ غم کیا؟
ہمہ تن عشق برملا بن جا     درد کی اک صدائے مبہم کیا؟

عشقِ خاموش کے مزے ہیں جگؔر
جوشِ فریاد و شورِ ماتم کیا

(III)

زندگی تجھ کو کہاں پھینک آئیں آخر کیا کریں ‌ ‌ ‌ مر کے بھی کب تک نگاہِ شوق کو رسوا کریں

سامنے آئینہ رکھ کر خود کو اک سجدا کریں ‌ ‌ ‌ دیکھیے کیا شور اٹھتا ہے حریمِ ناز سے

عشق آخر عشق ہے تم کیا کرو ہم کیا کریں ‌ ‌ ‌ ہائے یہ مجبوریاں ، محرومیاں، ناکامیاں

عشق خود اپنی جگہ عینِ حقیقت ہے جگؔر
عشق ہی کیوں ہو جو شانِ دلبری پیدا کریں

## معنی اور اشارے:

| | |
|---|---|
| بے پروا | بے فکر، بے نیاز |
| شعاع | کرنیں، روشنی ڈالنا |
| برق | بجلی |
| امروز | روشن کرنے والا، آج |
| فردا | آنے والا کل |
| عظمت | بزرگی یا بڑائی |
| صحرا | بیاباں، جنگل |
| غور | علامت، نشان |
| پیہم | لگاتار، متواتر |
| جز | سوائے، بغیر |
| مجسم | سر سے پاؤں تک، سراپا، جسم والا |
| اضطراب | بے قراری یا بے چینی |
| صدا | آواز |
| رسوا | ذلیل، بے عزت |
| حریم | گھر کی چار دیواری |
| محرومیاں | ناامیدی |
| عین | راست |

## معروضی سوالات:

1۔ جگر کا پورا نام تھا۔

(i) علی سکندر (ii) محمد علی

(iii) امجد علی (iv) علی احمد

2۔ جگر کا شعری مجموعہ ہے:

(i) حرف و حکایت (ii) آتش گل

(iii) روپ (iv) نغمۂ گل

3۔ اپنے کلام پر جگر نے کس سے اصلاح لی؟

(i) داغ دہلوی (ii) شاد عظیم آبادی

(iii) امیر مینائی (iv) مرزا غالب

4۔ جگر کی پیدائش کب ہوئی۔

(i) 1890 (ii) 1880

(iii) 1895 (iv) 1900

5۔ جگر کی وفات کس سنہ میں ہوئی۔

(i) 1960 (ii) 1970

(iii) 1980 (iv) 1990

## مختصر ترین سوالات:

1۔ مولانا محمد صدیق کا جگر مرادآبادی سے کیا تعلق تھا؟

2۔ جگر مرادآبادی کے والد بھی شاعر تھے، ان کا نام اور تخلص لکھیے۔

## مختصر سوالات:

1۔ جگر کے کلام کے کتنے مجموعے شائع ہوئے؟ ان کے نام لکھیے۔

2۔ جگر مرادآبادی نے زندگی کا آخری وقت کس شہر میں گزارا۔

3۔ جگر کو ان کے کس مجموعۂ کلام پر ساہتیہ اکادمی کا انعام ملا۔

## تفصیلی سوالات:

1۔ جگر کا پورا نام لکھتے ہوئے ان کے حالاتِ زندگی پر مختصر نوٹ لکھئے۔

2۔ جگر کی خصوصیات کلام مختصر طور پر واضح کیجیے۔

3۔ عشق خاموش کے مزے ہیں جگر / جوشِ فریاد و شورِ ماتم کیا

اس شعر کے ذریعے جگر کیا کہنا چاہتے ہیں؟

# (9)

# فراق گورکھپوری

[پیدائش 1896ء، وفات 1982ء]

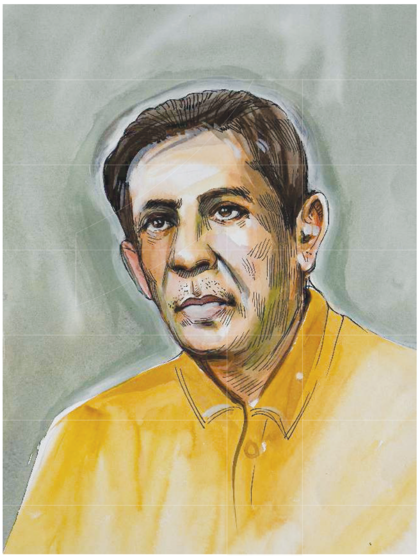

رگھو پتی سہائے فراقؔ گورکھپوری میں 1896ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد منشی گورکھ پرشاد عبرتؔ بھی شاعر تھے۔ اردو اور فارسی کے علاوہ انگریزی میں بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ کچھ مدّت تک جواہر لال نہرو کے ساتھ کام کیا۔ جیل بھی گئے۔ انگریزی میں ایم۔ اے۔ کرنے کے بعد الہ آباد یونیورسٹی میں انگریزی کے استاد ہو گئے۔ فراقؔ اردو کے صاحب طرز شاعر ہیں۔

فراق کے یہاں بنیادی طور پر حسن و عشق کا جو تصور ملتا ہے۔ وہ ہندی اور سنسکرت ادب کے مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ پھر بھی کلام میں انفرادی جذبات، اضطراب، نغمگی اور معصومیت، فکری شعور اور آ گہی کرنوں کی طرح پھوٹی پڑتی ہے۔

فراق، میر، غالب، مومن، مصحفی، حسرت اور جگر کی کڑی کے شاعر ہیں۔ میر کا سوز و گداز، غالب کی ندرت، مومن کی نازک خیالی، جگر کی عاشقانہ مستی، فراق کے اندر موجود ہے۔ فراق کے ابتدائی کلام میں امیر مینائی کا رنگ ملتا ہے۔ اُن کے کلام میں پاکیزگی و دلکشی موجود ہے۔ فراق نے اردو غزل کو نئی قدریں دیں، نئے موڑ دکھائے، نئی راہیں پیدا کیں۔ اس لیے فراق کو جدید غزل کی ایک عظیم طاقت کہا جائے تو اسے مبالغہ نہیں سمجھا جاسکتا۔ فراق نے نظم، رباعی، غزلیں سب کچھ لکھا لیکن جو مقبولیت فراق کو غزل میں حاصل ہوگی کسی دوسری صنف میں نہیں ہوئی۔

روح کائنات، مشعل، روپ، شبستاں، گل نغمہ ان کے شعری مجموعے ہیں۔ ''روپ'' رباعیوں کا مجموعہ ہے۔ فراق صاحب کی مشہور نظمیں قومی ایکتا، دیوالی کے دیپ جلے، آدھی رات، خراجِ عقیدت وغیرہ ہیں۔ 1882ء میں فراق کی موت ہوئی۔

(I)

اے رہروانِ راہِ محبت! بڑھے چلو    تقدیر منزلوں کی جگاتے چلے چلو

جو بار ہو اٹھاؤ ، پڑے جو ، سہے چلو    جاتی ہے ہو کے زیرِ فلک راہِ عشق بھی

تا صبح دم فسانۂ ہستی کہے چلو    منزل عدم کی ، راہ کٹھن ، رات کا سفر

ہر جنبشِ نظر کے سہارے مٹے چلو    اس بزمِ ناز میں یہی رازِ نشاط ہے

منزل کی فکر کیا سرِ راہِ جہاں فراقؔ
جو کچھ دکھائیں قلب و نظر دیکھتے چلو

(II)

آسمانوں کے راز ہو جائیں    وسعت بے کراں میں کھو جائیں

کس پہ ہنس جائیں کس پہ رو جائیں    شاد و ناشاد ہر طرح کے ہیں لوگ

راہ میں خار تو نہ بو جائیں    اپنے بعد آنے والی نسلوں کے

اپنی آواز میں سمو جائیں    ہو سکے تو سکوت راز کو بھی

سوچ لیں اور اداس ہو جائیں    زندگی کیا ہے آج اسے اے دوست!

رات آئی فراق ، دوست نہیں
کس سے کہیے کہ آؤ سو جائیں

(III)

یہ سرگرانیاں کب تک ، طواف در بدر کب تک ترے شوریدہ سر آخر رہیں شوریدہ سر کب تک
اسیرانِ ستم نے اور ہی کچھ سوچ رکھا ہے کریں آخر بسر بھی کرنے والے یوں بسر کب تک
ابھی تو بڑھتی ہی جاتی ہے بے تابی تشفی سے علاجِ دردِ دل ہوتا ہے دیکھیں کارگر کب تک
نویدِ طاقتِ پرواز لائی حدِّ مجبوری ترے بے بال و پر آخر رہیں بے بال و پر کب تک
حجابِ حسن اگر ہیں جلوۂ مہر و مہ و انجم نظر کو روکے رکھیں ہم بھی تا حدِّ نظر کب تک
نظامِ دہر بدلے ، آسماں بدلے ، زمیں بدلے لیے بیٹھا رہے کوئی حیاتِ بے اثر کب تک
فراقؔ انداز وحشت اب بدل دیں ہوش میں آئیں
رہیں ژولیدہ مو ، آشفتہ سر، حیراں نظر کب تک

## معنی اور اشارے:

| | |
|---|---|
| رہروان | رہرو کا جمع، راہی، مسافر |
| عدم | نیستی، معدوم ہونے کی حالت، نہ ہونا |
| بزم ناز | محبوب کی محفل |
| نشاط | خوشی |
| جنبش | حرکت، ہلنا |
| سکوت | خاموشی |
| اسیران | اسیر کی جمع (قیدی) |
| مہر و مہ و انجم | سورج، چاند اور ستارے |
| دہر | دنیا |
| ژولیدہ مو | وہ شخص جس کے بال الجھے ہوئے ہوں، (دیوانہ) |
| شوریدہ سر | دیوانہ |

## معروضی سوالات:

1۔ فراق گورکھپوری کا اصل نام کیا تھا؟

(i) شوکت علی　　(ii) رگھوپتی سہائے

(iii) فراق　　(iv) فراق گورکھپوری

2۔ فراق کی پیدائش کب اور کہاں ہوئی ؟

(i) 1720 بنارس
(ii) 1896 گورکھپور
(iii) 1812 گورکھپور
(iv) 1712 دہلی

3۔ فراق کی وفات کب اور کہاں ہوئی ؟

(i) 1972 لکھنو
(ii) 1982 دہلی
(iii) 1962 بنارس
(iv) 1950 دہلی

4۔ کس شاعر کو گیان پیٹھ ایوارڈ ملا۔

(i) فراق
(ii) حالی
(iii) میر
(iv) غالب

5۔ گل نغمہ کس شاعر کا شعری مجموعہ ہے۔

(i) علی سردار جعفری
(ii) فراق
(iii) نظیر اکبر آبادی
(iv) ن م راشد

## مختصر ترین سوالات:

1۔ فراق کس زبان کے استاد تھے؟

2۔ ''روپ'' کے مصنف کون ہے۔

3۔ ''روح کائنات'' کس شاعر کی تصنیف ہے۔

4۔ فراق صاحب کے والد کا نام کیا ہے؟

5۔ ''زندگی کیا ہے آج اسے اے دوست/سوچ لیں اور اداس ہو جائیں'' یہ شعر کس شاعر کا ہے؟

## مختصر سوالات:

1۔ فراق کے ابتدائی کلام میں کس کا رنگ ملتا ہے؟

2۔ فراق نے کون کون سی اصناف میں طبع آزمائی کی؟

3۔ فراق کی مشہور نظموں کے نام لکھیے۔

## تفصیلی سوالات:

1۔ فراق کی ادبی خدمات کا جائزہ لیجیے۔

2۔ فراق کی شاعری کی خصوصیات بیان کیجیے۔

# 2- مثنوی

مثنوی طویل نظم کو کہتے ہیں۔اس کا ہر شعر ہم قافیہ ہوتا ہے اور انداز بیانیہ۔زیادہ تر مثنویاں سات چھوٹی بحروں میں لکھی گئیں۔عام طور پر مثنوی وہ لمبی نظم ہوتی ہے جس میں زیادہ تر عشق و عاشقی، جنگ و مہم جوئی کی داستانیں بیان ہوتی ہیں لیکن بدلتے وقت اور حالات کے ساتھ مثنوی میں صوفیانہ و فلسفیانہ اور سیاسی و سماجی موضوعات کو بھی شامل کیا گیا۔مثنوی میں ہر طرح کے مضمون کو شامل کرنے و پیش کرنے کی گنجائش رہتی ہے۔الطاف حسین حالی نے اس صنف کو سب سے کار آمد صنف کہا ہے۔داستان ہی کی طرح اس میں بات سے بات نکالی جاتی ہے اور قصہ کو اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ تسلسل برقرار رہے۔مثنوی کی خاصیت واقعہ نگاری ہے۔اس میں رزم و بزم، اخلاق و فلسفہ، ہجو و مدح، عشق و محبت سے جڑے مضامین یعنی زندگی سے متعلق ہر موضوع اس میں پیش کیا جاتا ہے۔ساتھ ہی داستان کی طرح اس میں مافوق الفطری عناصر کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔اس طرح ہم سمجھ سکتے ہیں کہ مثنوی کا دائرہ وسیع ہے۔مثنوی میں کردار لازمی جُز و ہوتا ہے۔اس کے ذریعہ ہی واقعہ یا قصّہ بیان کیا جاتا ہے۔زیادہ تر کردار انسانی نفسیات اور پیچیدگیوں کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہیں۔مثنوی کے بڑے کنواس پر مختلف موضوعات کو پیش کیا جا سکتا ہے۔

اردو ادب میں فارسی سے بہت کچھ لیا گیا ہے۔مثنوی کا ماخذ بھی فارسی سے ہے۔فخر دین نظامی کی مثنوی کدم راؤ پدم راؤ، اردو کی اولین مثنوی میں سے ایک ہے۔اردو کے قدیم شاعروں میں نصرتی نے علی نامہ، ابن نشاطی نے پھول بن، ملا وجہی نے مثنوی قطب مشتری جیسی عمدہ مثنویاں لکھیں۔شعرائے دہلی میں میر تقی میرؔ اور مصحفی نے بکثرت مثنویاں لکھی ہیں۔مثنوی نگاری کے فن کو بام عروج پر میر حسن نے پہنچایا۔انھوں نے مثنوی سحر البیان لکھنؤ میں لکھی، جوان کا شاہ کار اور اردو ادب میں سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے۔لکھنؤ ہی میں دیا شنکر نسیمؔ نے مثنوی 'گلزار نسیم' لکھی۔شوق نے اپنی زندگی میں حقیقی

زندگی کی داستان پیش کی ہے۔اقبال نے ''ساقی نامہ'' کے نام سے نہایت عمدہ مثنوی لکھی۔حفیظ جالندھری نے ''شاہ نامہ اسلام'' نامی مثنوی لکھی۔

آج سے قریب دوڈھائی سوسال پہلے شاعر اپنا کمالِ ہنرغزل،قصیدہ ومثنوی ہی میں ظاہر کرتے تھے۔وقت کی تبدیلی کے ساتھ شاعروں نے مختلف اصناف پرطبع آزمائی کی اوراپنے فن کو چمکایا۔اردوادب میں اب مثنوی کا وہ چلن نہیں رہا جوقدیم زمانے میں تھا۔اس کی سب سے بڑی وجہ وقت کی کمی ہے۔آج کے دور میں طویل نظموں کا چلن ہے۔اکّا دُکّا مثنویاں بھی لکھی جارہی ہیں۔

# (1)

# میر حسنؔ

[پیدائش 1737ء، وفات 1786ء]

میر حسن کا اصل نام میر غلام حسن تھا۔ وہ پرانی دلی کے محلّہ سید واڑہ میں پیدا ہوئے۔ میر حسن کا سنۂ پیدائش 1737ء مانا جاتا ہے۔ان کے سنۂ پیدائش کے متعلق محققین کی رائے میں اختلاف ہے۔ میر حسن نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ان کے اساتذہ میں میر دردؔ، اور مرزا سوداؔ کے نام اہم ہیں۔ میر حسن اپنے والد کے ساتھ دلی سے فیض آباد پھر آصف الدولہ کے عہد میں لکھنؤ آئے۔ میر حسن کے خاندان میں شعر وشاعری کی روایت موجود تھی۔ شعر وشاعری ان کو وراثت میں ملی۔ان کے والد میر غلام حسین ضاحکؔ ایک معروف شاعر ومرثیہ گو تھے اور ان کے بیٹے میر مستحسن خلیق معروف غزل گو اور مرثیہ نگار تھے۔ میر حسن کے خاندان کی چوتھی نسل یعنی ان کے پوتے میر انیسؔ نے مرثیہ

نگاری کو بام عروج پر پہنچایا۔ میر حسن کا انتقال 1786ء میں لکھنؤ میں ہوا۔

میر حسن نے مثنوی، غزل، ہجو، قصیدہ، مرثیہ، رباعی، قطعہ، ترکیب بند وترجیع بند وغیرہ اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔ میر حسن کی مثنوی سحرالبیان اردو ادب کا لافانی فن پارہ ہے۔ بہ قول میر حسن انھوں نے اس کہانی میں اپنی عمر صرف کردی تب کہیں جاکر بڑھاپے میں یہ مثنوی لکھی گئی۔ میر حسن نے اس مثنوی کے قصہ کو بڑی شوخ و پرلطف زبان میں پیش کیا ہے۔

میر حسن واقعات کی تفصیلات کو بڑے دلچسپ انداز میں پیش کرتے ہیں۔ مثنوی سحرالبیان اپنے دور کی معاشرتی زندگی اور رسم ورواج کی عکاس ہے۔ میر حسن اپنی زبان کے جادو سے قصہ کو کڑی در کڑی پیش کرتے ہیں جس میں ربط وتسلسل ابتدا تا انتہا قائم رہتا ہے۔ میر حسن اپنے الفاظ کے خزانے میں سے ہر موقع کی مناسبت سے لفظوں کا استعمال کرتے ہیں۔ سلطنت کی شان وشوکت کا بیان، محل کی چہل پہل، تقریبات، ناچ ورنگ کو ایسے انداز میں پیش کرتے ہیں کہ آنکھوں کے سامنے تصویر کھنچ جاتی ہے۔ پھول پھل، باغ، رنگ وخوشبو، آتش بازی، رنج وخوشی کے عالم، عشرت ومصائب کا بیان میر حسن اس خوش اسلوبی کے ساتھ کرتے ہیں کہ ان کے قلم سے نکلا ہر موضوع ہمارے آس پاس کی دنیا کا لگتا ہے۔ میر حسن نے 1784ء میں مثنوی سحرالبیان مکمل کی تھی۔ اس مثنوی کی خوبی یہ ہے کہ ایک طویل عرصہ گزر جانے کے بعد بھی سحرالبیان اردو کی سب سے اچھی مثنوی سمجھی جاتی ہے۔

## داستان حالت تباہ کرنے ماں باپ کی شاہ زادے کے غائب ہونے سے

شتابی مجھے ساقیا دے شراب — کہ یہ حال سن کر ہوا دل کباب
یہاں کا تو قصہ میں چھوڑا یہاں — ذرا اب سنو غم زدوں کا بیاں
کھلی آنکھ جو ایک کی واں کہیں — تو دیکھا کہ وہ شاہ زادہ نہیں
نہ ہے وہ پلنگ اور نہ وہ ماہ رو — نہ وہ گل ہے اس جا نہ وہ اس کی بو
کوئی دیکھ یہ حال رونے لگی — کوئی غم سے جی اپنا کھونے لگی
کوئی بلبلائی سی پھرنے لگی — کوئی ضعف ہو ہو کر گرنے لگی
کوئی سر پہ رکھ ہاتھ دل گیر ہو — کوئی بیٹھی ماتم کی تصویر ہو
کوئی رکھ کے زیر زنخداں چھڑی — رہی نرگس آسا کھڑی کی کھڑی
رہی کوئی انگلی کو دانتوں میں داب — کسی نے کہا گھر ہوا یہ خراب
کسی نے دیے کھول سنبل سے بال — تپانچوں سے جوں گل کیے سرخ گال
نہ بن آئی کچھ ان کو اس کے سوا — کہ کہیے یہ احوال اب شہ سے جا
سنی شہ نے القصہ جب یہ خبر — گرا خاک پر کہہ کے ہائے پسر
کلیجا پکڑ ماں تو بس رہ گئی — کلی کی طرح سے بکس رہ گئی
کہا شہ نے واں کا مجھے دو پتا — عزیزو جہاں سے وہ یوسف گیا
گئے لے وہ شہ کو لبِ بام پر — دکھایا کہ سویا تھا وہ سیم بر
یہی تھی جگہ وہ جہاں سے گیا — کہا ہائے بیٹا تو یاں سے گیا

مرے نوجواں میں کدھر جاؤں پیر ‏ نظر تو نے مجھ پر نہ کی بے نظیر
عجب بحرِ غم میں ڈبویا ہمیں ‏ غرض جان سے تو نے کھویا ہمیں
عجب طرح کی شب تھی ہیہات وہ ‏ قیامت کا دن تھا نہ تھی رات وہ
سحر نے کیا جب گریبان چاک ‏ اڑانے لگے مل کے سب سر پہ خاک
اٹھا شہر میں ہر طرف شور و غل ‏ کہ غائب ہوا اس چمن سے وہ گل
غم و درد سے دل جو سب کا بھرا ‏ ہوا باغ سارا وہ ماتم سرا
گیا جب کہ وہ سرو اس باغ سے ‏ نظر پھول آنے لگے داغ سے
اکڑنا گئے سرو سب اپنا بھول ‏ اڑانے لگیں قمریاں سر پہ دھول
صدا اب جو کوئی انھوں کی سنے ‏ تو کو کو سے ان کے جگر تک بھُنے
ہوئے خشک اور زرد سارے نہال ‏ ثمر لگ کے پاتوں ہوئے پائمال
ترانے سے بلبل کی جی ہٹ گیا ‏ گلوں کا جگر درد سے پھٹ گیا
تبسم کلی حزن سے بھول گئی ‏ پیا غم سے از بس لہو پھول گئی
اڑا نور نرگس کی آنکھوں کا سب ‏ ہوئے بال سنبل کے ماتم کی شب
لب جو جو اڑنے لگی گرد گرد ‏ گُلِ اشرفی کا ہوا رنگ زرد
لگی آگ لالہ کے دل کو تمام ‏ دیا خاک میں پھینک عشرت کا جام
پڑا ماتم اس باغ میں بس کہ سخت ‏ ہوئے نخلِ ماتم تمامی درخت
گرے غم سے انگور مدہوش ہو ‏ پڑے سایے سارے سیہ پوش ہو
لگے تھے جو پتے درختوں کے ساتھ ‏ وہ ہل ہل کے ملتے تھے آپس میں ہاتھ
وہ لب ریز جو نہر تھی جا بجا ‏ سو آنکھوں کو وہ رہ گئی ڈبڈبا

اچھلتے تھے فوارے جو اس کے واں گئی سب نکل ان کی تاب و تواں
مژہ پر جو کچھ اشک تھے جھڑ گئے غرض روتے روتے گڑھے پڑ گئے
ہوا حال چشموں کا یاں تک تباہ کیا رخت پانی نے اپنا سیاہ
نہ بگلوں کا عالم نہ وہ قرقرے نہ وہ آب جوئیں نہ سبزے ہرے
گلوں کی طرح کھل رہے تھے جو دل سو وے سب خزاں سے ہوئے مضمحل
نہ غنچہ نہ گل ، نے گلستاں رہا فقط دل میں اک خارِ ہجراں رہا
وزیروں نے دیکھا جو احوال شاہ کہ ہوتی ہے اب اس کی حالت تباہ
اگرچہ جدائی گوارا نہیں ولیکن خدائی سے چارا نہیں
نہیں خوب اتنا تمھیں اضطراب نصیبوں سے شاید ملے وہ شتاب
خدا جانے اب اس میں کیا بھید ہے یہ کہتے ہیں جیتوں کو امید ہے
لٹایا بہت باپ نے مال و زر و لیکن نہ پائی کچھ اس کی خبر

## معنی اور اشارے:

| | |
|---|---|
| شتابی | جلد |
| ضعف | کمزوری، بے ہوشی |
| سنبل | ایک خوشبودار گھاس کا نام |
| گریباں چاک کرنا | غم یا دکھ کو ظاہر کرنا |
| غل | شور |
| گل | پھول |
| حزن | رنج، ملال |
| عشرت | آرام، خوشی |
| مژہ | پلک |
| اضطراب | بے قراری، بے چینی، بے تابی |
| غنچہ | کلی |
| گلستاں | باغ |

## معروضی سوالات:

1۔ میر حسن کا اصل نام کیا تھا؟

(i) میر غلام حسن (ii) محمد میر حسن

(iii) میر تقی حسن (iv) میر حسن ضاحک

2۔ میر غلام حسین ضاحک سے میر حسن کا کیا رشتہ تھا؟

(i) والد (ii) بھائی

(iii) دوست (iv) کوئی بھی رشتہ نہ تھا

3۔ میر حسن نے سحرالبیان کس سنہ میں مکمل کیا؟

(i) 1784 (ii) 1710

(iii) 1797 (iv) 1726

4۔ 'قصۂ بے نظیر' کس مثنوی میں پیش کیا گیا ہے؟

(i) سحرالبیان (ii) گلزارِ نسیم

(iii) گلزارِ ارم (iv) زہرِ عشق

**مختصر ترین سوالات:**

1۔ قصۂ بے نظیر کس مثنوی کو کہا جاتا ہے؟

2۔ شہزادے کے غائب ہونے پر محل میں کیا منظر نظر آیا؟

**مختصر سوالات:**

1۔ مثنوی کسے کہتے ہیں؟ دو اہم مثنوی نگاروں کے نام لکھیے۔

2۔ متضاد سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ لفظ خزاں کا متضاد لکھیں؟

**تفصیلی سوالات:**

1۔ میر حسن کی مثنوی کے بنیادی اوصاف کیا ہیں؟ وضاحت کیجیے۔

2۔ میر حسن کے حالاتِ زندگی مختصر الفاظ میں لکھیے۔

3۔ اٹھا شہر میں ہر طرف شور و غل / کہ غائب ہوا اس چمن سے وہ گل

اس شعر میں کس کے غائب ہونے کی بات کی گئی ہے؟ واقعہ بیان کیجیے۔

# (2)

# شوق قدوائی

[پیدائش 1853ء، وفات 1925ء]

شوق قدوائی کا اصل نام احمد علی تھا۔ شوق تخلص فرماتے تھے۔ وہ 1853ء میں قصبہ جگور بارہ بنکی، لکھنؤ کے پاس پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوئی۔ عربی فارسی زبان کے ساتھ انگریزی زبان بھی سیکھی۔ آگے کی تعلیم بدایوں اور رام پور سے حاصل کی۔ لکھنؤ سے ایک اخبار 'آزاد' نکالا۔ ان کا اصل میدان شاعری رہا۔ وہ مصحفی کے شاگرد تھے۔ انھوں نے انیسویں صدی کے آخر میں داستانی مثنوی لکھی جو اس عہد کی آخری کوشش تھی۔ 1925ء میں بدایوں میں ان کا انتقال ہوا۔

شوقؔ نے کل دو مثنویاں لکھی، ترانۂ عشق اور عالم خیال۔ مثنوی 'ترانۂ عشق' ان کی مقبولیت کا باعث بنی۔ اس مثنوی کے لیے کہا جاتا ہے کہ یہ مثنوی گلزار نسیم کے اتباع میں لکھی گئی۔ شوقؔ کو نسائی زبان کی ادائیگی پر عبور حاصل تھا۔ وہ عہد سلطنت کے طور طریقوں اور آداب کو بڑی خوبی سے پیش کرتے ہیں۔ ان کی زبان بامحاورہ اور کردار کی مناسبت سے ہے۔ استعارات وتشبیہات کے ساتھ ان کے یہاں اختصار بھی ملتا ہے۔ زبان و بیان میں نزاکت کا خاص خیال رکھا ہے۔ شوقؔ کے یہاں نسیم کا رنگ خاصا نمایاں ہے۔

بولی وہ کہ خیر ہے کہا شر
بولی کہ یہ کیوں؟ کہا مقدر [ترانۂ شوق]

پوچھا کہ سبب؟ کہا کہ قسمت
پوچھا کہ طلب، کہا قناعت [گلزارنسیم]

# طوطا اڑ جانے پر افسوس

بگڑی صفت مزاج سب سے　　کہنے لگی جوششِ غضب سے
طوطا صیّاد نے اڑایا　　چڑیاں ہیں چپ ، اڑیں خدایا
پہرے پہ یہ شجر کھڑے تھے　　کانٹے رستے ہی میں پڑے تھے
سوسن کی زبان کیا تھی بے حس　　کیا پھوٹ گئی تھی چشمِ نرگس
کیا باغ میں سو رہا تھا ''سویا''　　کلیاں نادان ہی تھیں گویا
شاخوں نے نہ برچھیاں لگائیں　　پتّوں نے نہ تالیاں بجائیں
پھیلائے ہوئے تھیں جال بیلیں　　چلنے دیتیں نہ چال بیلیں
غنچوں کو حجاب کی پڑی تھی　　سبزے کو خواب کی پڑی تھی
خاک آیا نہ میرے کام سنبل　　مٹ جائے بلا سے نام سنبل
پکڑا کسی خار نے نہ داماں　　زنجیر بنا نہ عشقِ پیچاں
تاکا نہ عدو کو تو نے اوتاک!　　آنکھوں میں پڑی نہ اڑ کے او خاک!
تو نے نہ دیا نسیم جھٹکا　　کانٹا بھی تو پاؤں میں نہ کھٹکا
کس سوچ میں تھے یہ سر جھکائے　　کچّا کوئی ان پھلوں کو کھائے
انگور ہیں مے پرست کم بخت　　یک سر پڑے ہوں گے مست کم بخت
لب کھول کے حوض کیوں نہ بولا　　فوّارے نے کیوں دہن نہ کھولا
موجیں دوڑیں نہ ہو کے بے تاب　　طوق گردن ہوا نہ گرداب
سایہ ہی نہ پڑ کے کاش سوتا　　بیلا ہی گلے کا ہار ہوتا

مہندی ہی جکڑتی ہاتھ پاؤں    رنگت ہی پکڑتی ہاتھ پاؤں
آنے والی نسیم ہے بس    جانے والی شمیم ہے بس
غنچوں کو جو کچھ کہوں تو چٹکیں    کانٹوں کا جو نام لوں تو کھٹکیں
پھولوں کو کہوں تو منہ پُھلائیں    چڑیوں سے جو بولوں غل مچائیں
پھر کون ہے جس پہ کچھ گماں ہو    مہندی کا جو چور ہو تو ہاں ہو
کیا سمجھی تھی میں یہ گل کھلے گا    گلشن سے یہ پھل مجھے ملے گا
نارنجی لگا کے رنج جھیلا    تقدیر سے کچھ پھلا نہ کیلا
پاجی ہیں یہ سب شریفے سڑ جائیں    بیری ہوئے بیر کیڑے پڑ جائیں
اس نے بھی نہ خاک ادا کیا حق    پالا پالک کو میں نے ناحق
میٹھے سے کھٹائی میں پڑی میں    کچّا کھا جاؤں گی ابھی میں
بوٹے ہیں یہ دیکھنے کو چھوٹے    یہ جتنے چھوٹے ہیں اتنے کھوٹے
لالہ گم راہ ہے میں سمجھی    دل اس کا سیاہ ہے میں سمجھی
امید بہی بہی سے ہے خام    رکھیے آسیب سیب کا نام
گلشن پہ پڑے الٰہی پالا    لالے کا چمن میں منہ ہو کالا
ہنستے ہیں یہ گل تباہ ہوجائیں    یہ فالسے رو سیاہ ہو جائیں
ہو سرو کا پاؤں شل الٰہی    دنیا میں نہ پائے پھل الٰہی
جڑ پیڑ سے اجڑے اے چمن تو    ہو جائے سفید یاسمن تو
سڑ سڑ کے ثمر گریں تو خوش ہوں    کٹ کٹ کے شجر گریں تو خوش ہوں
یا رب سبزے پہ اوس پڑ جائے    پامال ہوں خار ، بیل اجڑ جائے

مٹ جائے حباب ، بے نشاں ہو    یہ سرو چمن رواں دواں ہو
ٹھنڈی ہوں ، حوض تو جو گر جائے    پانی تری آبرو پہ پھر جائے
چوسوں گی انار کا لہو آج    گیندے کو کروں گی زرد رو آج
کاٹوں گی یہ پیڑ جس طرح ساگ    مہ تابیوں میں لگاؤں گی آگ
انگور کی کھینچ لوں گی کھال آج    سنبل کے نوچ لوں گی بال آج
شبو تری ناک کاٹ لوں گی    لیموں تجھے آج چاٹ لوں گی
اشجار تنے کھڑے ہیں بد ذات    کھودوں ان کی جڑیں تو ہے بات
ناچیں کتنا ہی بن کے طاؤس    ہیں سبز قدم چمن کے طاؤس
ناچ اتنا نچاؤں جتنی کد ہے    دوں داغ پہ داغ تو سند ہے
کیا کیا نہ ستم کروں گی واللہ    مہندی کو قلم کروں گی واللہ
ڈر ہو شبنم کہیں فنا ہو    آگے سے نسیم تو ہوا ہو
چھاتی تیری پھٹ جائے او گل    اللہ کی مار تجھ پہ سنبل
قمری کے گلے میں طوق ڈالوں    کانٹے یہ کھٹکتے ہیں نکالوں
فوّاروں کے لوٹ لوں خزانے    موجوں کے لگاؤں تازیانے
پیسوں مہندی کو میں جو بس ہو    تلووں سے ملوں جو دسترس ہو
لو کا لگے جھاڑ میں تو خوش ہوں    پتے جلیں بھاڑ میں تو خوش ہوں

یہ پیڑ نہ ہوں نہال یارب
سبزہ رہے پائے مال یارب

## معنی اور اشارے:

| | |
|---|---|
| غنچہ | کلی |
| خاک | مٹی |
| طوق | گردن کا ایک زیور |
| گرداب | بھنور |
| ناحق | بلاوجہ |
| چمن | باغ |
| یاسمن | پھول |

## معروضی سوالات:

1۔ شوق قدوائی کا اصل نام کیا تھا؟

(i) محمد علی (ii) احمد علی

(iii) اسعد علی (iv) مرزا شوق

2۔ شوقؔ کے استاد کا کیا نام تھا؟

(i) مصحفی (ii) ذوق

(iii) جگر (iv) آتش

3۔ شوقؔ قدوائی کی مثنوی کا کیا نام تھا؟

(i) ترانۂ عشق (ii) ترانۂ ہند

(iii) ترانۂ گل (iv) دریائے عشق

## مختصر ترین سوالات:

1۔ شوقؔ قدوائی کب اور کہاں پیدا ہوئے؟

2۔ شوق قدوائی کا انتقال کب اور کہاں ہوا؟

## مختصر سوالات:

1۔ شوق قدوائی نے کتنی مثنویاں لکھیں؟

2۔ اردو کی پہلی مثنوی کون سی ہے؟

## تفصیلی سوالات:

1۔ کیا مثنوی ترانۂ شوق ایک داستانی مثنوی ہے؟

2۔ شوق قدوائی کے حالات زندگی اور ان کے تخلیقی رجحان پر روشنی ڈالیے۔

3۔ بگڑی صفت مزاج سب سے / کہنے لگی جوششِ غضب سے
طوطا صیاد نے اڑایا / چڑیاں ہیں چپ اڑیں خدایا
مندرجہ بالا اشعار کی تشریح اپنے الفاظ میں مع سیاق وسباق کیجیے۔

# (3)

# حفیظ جالندھری

[پیدائش 1900ء، وفات 1982ء]

حفیظ جالندھری کا پورا نام ابوالاثر حفیظ تھا۔ ان کی ولادت 1900ء میں شہر جالندھر میں ہوئی۔ مولانا غلام قادر گرامی کے شاگرد رہے۔ وہ ان کو ابوالاثر حفیظ کہا کرتے تھے۔ بچپن سے ہی ان کو شعر گوئی سے رغبت تھی۔ وہ چھوٹی اور مترنم بحروں کا استعمال کرتے تھے۔ اپنے ترنم اور آواز کی وجہ سے مشاعروں کی جان ہوتے تھے۔ وہ بنیادی طور پر گیت کار تھے۔ ان کے گیتوں میں سادگی اور ہندوستانی رنگ نمایاں تھا۔ گیت کے بنیادی عناصر جذباتیت، لطافت، سلاست اور روانی ان کے یہاں ملتی ہے۔ انھوں نے ہندی الفاظ کا کثرت سے استعمال کیا ہے۔ حفیظ جالندھری نے شاہنامۂ اسلام جیسی مشہور مثنوی لکھی۔ یہ اردو کی پہلی مثنوی ہے جو کسی خاص مقصد کے لیے لکھی گئی۔ مثنوی ''شاہنامۂ اسلام'' کو غیر معمولی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔

حفیظ نے گیت اور نظم کے لیے بھی بہت سے کام کیے۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران حکومت ہند نے انھیں دہلی میں ''سانگ پبلی سٹی آرگنائزیشن'' کا ڈائرکٹر مقرر کیا۔ تقسیم ہند کے بعد کشمیر میں حکومت پاکستان کی پبلی سٹی اپنے گیتوں کے ذریعہ کی۔ انھوں نے پاکستان کا قومی ترانہ بھی لکھا۔ ان کی اہم تخلیقات میں مثنوی شاہ نامۂ اسلام، نغمہ راز، سوز وساز، تلخابۂ شیریں، چراغ سحر وغیرہ شامل ہیں۔ سنہ 1982ء میں لاہور میں ان کا انتقال ہوا۔

# صحرا کی دعا

یہ تشنہ لب جماعت تھی یہاں پر رک گئی آ کر
دعا کی دامنِ صحرا نے دونوں ہاتھ پھیلا کر
کہ اے صحرا کو آتش ناک چہرا بخشنے والے
رخ خورشید کو کرنوں کا سہرا بخشنے والے
ازل کے دن سے اب تک بھاڑ میں بھنتا رہا ہوں میں
صدائے رعد و باراں دور سے سنتا رہا ہوں میں
ہوا ہوں جب سے پیدا جان پانی کو ترستی ہے
مرے سینے کے اوپر آگ کی بدلی برستی ہے
میں سمجھا تھا مقدر ہو چکی ہے دھوپ کی سختی
مری قسمت میں لکھی جا چکی ہے سوختہ بختی
بنایا رفتہ رفتہ سخت میں نے بھی مزاج اپنا
لیا ہر آبلہ پا سے زبردستی خراج اپنا
خبر کیا تھی الٰہی ایک دن ایسا بھی آئے گا
کہ تیرا ساقی کوثر یہاں تشریف لائے گا
اگر یہ بات پہلے سے مجھے معلوم ہو جاتی
مرے دل کی کدورت خود بخود معدوم ہو جاتی

خبر کیا تھی یہاں تیرے نمازی آ کے ٹھہریں گے
شہید آرام فرمائیں گے ، غازی آ کے ٹھہریں گے

خبر کیا تھی ملے گی یہ سعادت میرے دامن کو
بنایا جائے گا فرشِ عبادت میرے دامن کو

خبر ہوتی تو میں شبنم کے قطرے جمع کر رکھتا
چھپا کر ایک گوشے میں مصفا حوض بھر رکھتا

مرے سر پر سے گزرا نوح کے طوفان کا پانی
تاسُّف ہے کہ مجھ سے ہو گئی اُس وقت نادانی

اگر کرتا میں اس پانی کی تھوڑی سی نگہداری
تو ہو جاتا مری آنکھوں سے چشموں کی طرح جاری

یہ ستر اونٹ دو گھوڑے یہاں سیراب ہو جاتے
مجاہد بھی وضو کرتے نہاتے غسل فرماتے

حضورِ ساقیِ کوثر مری کچھ لاج رہ جاتی
مری عزت مری شرم و عقیدت آج رہ جاتی

ترے محبوب کے پیارے قدم اس خاک پر آئے
الٰہی حکم دے سورج کو اب آتش نہ برسائے

جلیل الشان مہمانوں کا صدقہ مہربانی کر
عطا بحرِ وضو ان کے لیے تھوڑا سا پانی کر

برائے چند ساعت ابر باراں بھیج دے یارب!
بہاراں بھیج دے یارب بہاراں بھیج دے یارب!

## معنی اور اشارے:

| | |
|---|---|
| تشنہ | پیاس |
| ازل | ہمیشگی، آغاز آفرینش، ابتدائے زمانہ |
| ساقی کوثر | حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب، قیامت کے دن کوثر نام کی مقدس شراب پلانے والا |
| سعادت | خوش نصیبی |
| آبلہ پا | پیر کا چھالا |
| تاسُّف | افسوس |
| معدوم | جو موجود نہ ہو |
| ابر باراں | بارش والے بادل |

## معروضی سوالات:

1۔ نظم صحرا کی دعا کس نے لکھی ہے؟

(i) حفیظ جالندھری (ii) اختر شیرانی

(iii) جمیل مظہری (iv) ساغر نظامی

2۔ حفیظ جالندھری کا انتقال کب اور کہاں ہوا؟

(i) 1982ء جالندھر (ii) 1982ء لاہور

(iii) 1970ء سیالکوٹ (iv) 1975ء امرتسر

3۔ جب کسی چیز کو دوسری چیز کی طرح مان لیا جائے تو اس کو کیا کہتے ہیں؟

(i) تشبیہ (ii) مجاز

(iii) کنایہ (iv) مبالغہ

5۔ لفظ تشنہ کے معنی بتایئے۔

(i) پیاسا (ii) بھوکا

(iii) جاہل (iv) قابل

## مختصر ترین سوالات:

1۔ حفیظ جالندھری کی مشہور مثنوی کا نام لکھیے۔

2۔ حفیظ جالندھری کی نظم 'صحرا کی دعا' کس مثنوی سے ماخوذ ہے۔

## مختصر سوالات:

1۔ نظم 'صحرا کی دعا' میں کس سے دعا کی گئی ہے؟

2۔ برائے چند ساعت ابر باراں بھیج دے یارب!
بہاراں بھیج دے یارب بہاراں بھیج دے یارب!
اس شعر کی تشریح اپنے الفاظ میں کریں۔

## تفصیلی سوالات:

1۔ حفیظ جالندھری پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔

2۔ مراعات النظیر کیا ہے؟ مع مثال سمجھایئے۔

# 3- قصیدہ

قصیدہ کا شمار اردو کی اہم اصناف میں ہوتا ہے۔اس میں کسی کی تعریف وتحسین و بُرائی سے متعلق مضامین باندھے جاتے ہیں۔ جس قصیدے میں کسی کی تعریف کی جاتی ہے اسے مدحیہ قصیدہ اور جس میں کسی کی توہین وہجو کی جاتی ہے اسے ہجو یہ قصیدہ کہتے ہیں۔ ہیئت کے اعتبار سے قصیدے کے دواقسام ہوتے ہیں۔تمہیدیہ اور خطابیہ۔تمہیدیہ قصیدہ کے چار اجزا ہوتے ہیں، جنھیں اجزائے ترکیبی سے موسوم کرتے ہیں، جو اس طرح ہیں: (۱) تشبیب (۲) گریز (۳) مدح (۴) حسن طلب ودعا۔

خطابیہ قصیدے میں تشبیب اور گریز نہیں ہوتے ہیں۔اس میں صرف مدح اور حسن طلب اور دعا کا التزام ملتا ہے۔اردو میں بادشاہوں اور امرا کے علاوہ نعت اور مناقب کے موضوع پر بھی قصائد ملتے ہیں۔اردو میں قصیدہ نگاری کی ایک مستحکم روایت ملتی ہے۔دکن اور شمال دونوں جگہوں پر قصائد لکھے گئے۔رفیع سوداؔ اردو کے سب سے بڑے قصیدہ گو ہیں۔اُن کے بعد ذوقؔ کا مقام ہے۔غالبؔ، محسنؔ کاکوروی، منیرؔ شکوہ آبادی وغیرہ نے بہترین قصیدے تخلیق کر کے قصیدے کے فن کو فروغ دیا۔

## (1)

# مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ

[پیدائش 1797ء، وفات 1869ء]

مرزا اسد اللہ خاں نام، غالبؔ تخلص اور مرزا نوشہ عرفیت تھی۔ 1797ء میں آگرے میں پیدا ہوئے۔ ان کا سلسلۂ نسب ایبک ترکمانوں، جو وسط ایشیا کے رہنے والے تھے، سے ملتا ہے۔ مرزا غالبؔ کے دادا شاہ عالم کے زمانہ میں ہندوستان وارد ہوئے اور دربار میں باریابی حاصل کی۔

مرزا غالبؔ کے والد عبد اللہ بیگ نے ایک متلون زندگی بسر کی۔ کچھ دنوں تک دربار اودھ سے منسلک رہے، پھر حیدرآباد گئے۔ بالآخر الور آکر راجہ بختاور سنگھ کی ملازمت اختیار کی اور یہاں کسی لڑائی میں مارے گئے۔ اس وقت مرزا غالبؔ کی عمر پانچ برس تھی۔ ان کے چچا نصر اللہ بیگ نے غالب اور ان کے چھوٹے بھائی مرزا یوسف کو اپنی سرپرستی میں لے

لیا۔ مرزا غالبؔ ابھی نو برس کے تھے کہ ان کے چچا کا انتقال ہو گیا۔ اب اس کے بعد ان کے نانا خواجہ غلام حسین خاں جو کہ فوج میں کمیدان تھے، اور جن کا شمار مشہور رئیس اور عمائدین شہر میں ہوتا تھا، کے یہاں مرزا غالبؔ کی پرورش ہونے لگی۔ ان کے چچا چونکہ فوج میں رسالدار تھے اس لیے حسنِ خدمات اور وفاداری کے صلہ میں انگریزی سرکار سے جاگیر بھی پائی تھی، ان کے انتقال کے بعد انگریزی سرکار کی طرف سے پنشن بھی ملتی رہی۔

مرزا غالبؔ کا بچپن آگرہ میں گزرا، جہاں وہ ایک کہنہ مشق استاد شیخ معظم علی سے تعلیم پاتے رہے۔ لیکن زبان و بیان اور شعر و ادب پر اپنی خداداد صلاحیتوں کے باعث قدرت حاصل کی۔ اس کے علاوہ انھوں نے عبدالصمد نامی ایک پارسی شخص سے فارسی پڑھی۔ مرزا غالبؔ کی شادی نواب الٰہی بخش خاں معروفؔ کی بیٹی امراؤ بیگم سے ہوئی۔ شادی کے بعد مرزا غالبؔ دہلی آگئے اور مستقل طور پر سکونت اختیار کر لی۔ مرزا غالبؔ پہلے اسدؔ تخلص استعمال کرتے تھے بعد کو غالبؔ ہو گئے۔ چونکہ دہلی کی فضاء ایسی تھی کہ ہر طرف شعر و شاعری کا چرچا تھا اور جگہ جگہ مشاعرے ہو رہے تھے۔ اس ماحول کا غالبؔ کی نوخیز طبیعت پر شاعری کا گہرا اثر پڑا۔

مرزا غالبؔ ہمیشہ دہلی میں رہے، سوائے ایک سفر کلکتہ کے جو انھوں نے پنشن کے قضیہ کی بحالی کے لیے کیا تھا۔ اس سفر میں انھوں نے لکھنؤ اور بنارس میں قیام کیا، جن کے اثرات ان کی شخصیت اور شاعری پر ملتے ہیں۔ غالبؔ کو سفر کلکتہ میں اپنی پنشن کی بحالی کے لیے کوئی خاص کامیابی نہیں ملی، لیکن ادبی اور ثقافتی طور پر ان کی شاعری کو نیا رخ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ مرزا قتیل سے معرکہ سفرِ کلکتہ کا ایک اہم واقعہ ہے۔ اس ضمن میں غالبؔ کو جس کرب سے دوچار ہونا پڑا، اس کا تھوڑا بہت اندازہ ان کی فارسی مثنوی ''بادِ مخالف'' سے لگایا جا سکتا ہے۔ مثنوی 'چراغ دیر' ان کی بنارس کی یادوں کی دستاویز ہے۔ اور ایک قصیدہ غازی الدین حیدر شاہ بادشاہ اودھ کے واسطے اور ایک نثر وزیر سلطنت کی مدح میں پیش کی تھی۔ آخر اودھ کے تاجدار واجد علی شاہ کی جانب سے پانچ سو روپیہ ان کے واسطے وظیفہ مقرر ہوا۔ مگر دو برس بعد جب سلطنت کا تنازعہ پیدا ہو گیا تو وہ موقوف ہو گیا۔ 1849 میں مغل دربار میں رسائی حاصل ہوئی اور بادشاہ بہادر شاہ ظفر نے ان کو نجم الدولہ دبیر الملک نظام جنگ کا خطاب عطا کیا۔ پچاس روپیہ ماہوار اور خلعت فاخرہ سے نوازے گئے اور تاریخ خاندان

تیموریہ لکھنے پر مامور ہوا۔ 1854ء میں استاد ذوقؔ کے انتقال کے بعد مرزا غالب بادشاہ کے استاد مقرر ہوئے۔ لیکن غدر کے بعد یہ وظیفہ بھی بند ہوگیا۔ اور مرزا غالب مصائب وآلام میں مبتلا ہو گئے اور انگریزی سرکار کی جانب سے جاری پنشن بھی بند ہوگئی۔ اس کے بعد غالبؔ رامپور چلے گئے اور یہاں نواب یوسف علی والیِ رامپور کے استاد مقرر ہوئے اور سو روپیہ ماہانہ وظیفہ جاری ہوا جو غالب کو تاحین حیات ملتا رہا۔ بڑی تگ ودو اور نواب رامپور کی وساطت سے غالبؔ اپنی بے گناہی ثابت کرنے میں کامیاب ہوگئے اور انگریزی سرکار کی جانب سے پنشن بحال ہوگئی۔

غالبؔ زندگی بھر مالی اعتبار سے آسودہ حال نہیں رہے۔ ان کی زندگی کا دارومدار پنشن پر تھا۔ غالبؔ کو اپنے حسب ونسب اور شاعری پر ناز تھا۔ دنیاوی آرائش، جاہ ومنصب اور جس شاہانہ انداز میں زندگی بسر کرنے کے آرزومند تھے، ان کی یہ حسرت کبھی پوری نہیں ہوئی۔ غالبؔ کا آخری وقت دہلی میں گزرا۔ ان کا انتقال 15 رفروری 1869ء کو دہلی میں ہوا اور وہیں آسودہ خاک ہوئے۔

غالبؔ کا شمار اردو کے بڑے شاعروں میں ہوتا ہے۔ فارسی شاعری میں بھی ان کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ اگر اردو اور فارسی کے فرق کو نظر انداز کر دیا جائے تو ان کی شاعری زندگی کے حقائق اور انسانی نفسیات کی عکاسی کی بہترین اور اعلیٰ نمونہ ہے۔ انھوں نے اردو شاعری میں ایک نئی روح پھونک دی، اسے نئے موضوعات سے آشنا کیا اور اس میں ایک انقلابی لہر دوڑا دی۔ ان کی شاعری میں فلسفیانہ خیالات جا بجا ملتے ہیں۔ انھوں نے زندگی کو اپنے طور پر سمجھنے کی بھرپور کوشش کی۔ ان کے تخیل کی بلندی اور شوخیِ فکر کا راز اس بات میں مضمر ہے کہ وہ انسانی زندگی کے نشیب وفراز اور اس کی مختلف کیفیات کو شدت سے محسوس کرتے ہیں۔ ان کے کلام میں عشق ومحبت کے مشاہدات واحساسات کے علاوہ حقائق حیات کے تعلق سے بڑی گہری بصیرت ملتی ہے۔ انھیں مختلف اصناف سخن مثلاً غزل، قصیدہ، مرثیہ وغیرہ پر قدرت حاصل تھی، لیکن ان کو سب سے زیادہ شہرت ومقبولیت غزل گوئی کی بدولت حاصل ہے۔ انھوں نے فلسفہ وفکر اور متصوفانہ افکار ونظریات، اخلاقی اور حکیمانہ بصیرت اور عشق ومحبت کے جذبات کی ترجمانی کے ذریعہ اپنی غزلوں میں ہمہ رنگی پیدا کی۔ معنی دار پہلو، رمز وایمائیت، مشکل پسندی، لطافت خیال اور نکتہ آفرینی، شوخی وطنز وظرافت، پیکر تراشی، جدت ادا اور سادہ وسلیس اندازِ

بیان ان کی غزلوں کے نمایاں اوصاف ہیں۔

غالب قصیدہ میں بھی ایک امتیازی شان رکھتے ہیں۔انھوں نے روایتی انداز کی قصیدہ نگاری سے انحراف کر کے اس میں شان وشکوہ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ان کی ترکیبوں میں جادواور فقروں میں ترنم ہے۔ان کے قصیدوں کے اشعار بھی شاعرانہ آرٹ کا بہترین نمونہ ہے۔ان کے قصیدوں کی تشبیب میں ندرت خیال بھی ہےاور ندرت ادا بھی اور زور بیان کا اعلیٰ ترین نمونہ بھی ہے۔ان کے قصیدوں میں مدح، حسن طلب اور دعا گوئی کا بالکل نرالا انداز پایا جاتا ہے۔

## قصیدہ در مدح بہادر شاہ

ہاں مہِ نو سنیں ہم اس کا نام　　جس کو تو جھک کے کر رہا ہے سلام
دو دن آیا ہے تو نظر دمِ صبح　　یہی انداز اور یہی اندام
بارے دو دن کہاں رہا غائب　　بندہ عاجز ہے گردشِ ایّام
اڑ کے جاتا کہاں کہ تاروں کا　　آسماں نے بچھا رکھا تھا دام
مرحبا! اے سرور خاص خواص　　حبّذا! اے نشاطِ عام عوام
عذر میں تین دن نہ آنے کے　　لے کے آیا ہے عید کا پیغام
اس کو بھولا نہ چاہئے کہنا　　صبح جو جائے اور آئے شام
ایک میں کیا کہ سب نے جان لیا　　تیرا آغاز اور ترا انجام
رازِ دل مجھ سے کیوں چھپاتا ہے　　مجھ کو سمجھا ہے کیا کہیں نمّام
جانتا ہوں کہ آج دنیا میں　　ایک ہی ہے امید گاہِ انام
میں نے مانا کہ تو ہے حلقہ بگوش　　غالبؔ اس کا مگر نہیں ہے غلام
جانتا ہوں کہ جانتا ہے تو　　تب کہا ہے بہ طرز استفہام
مہر تاباں کو ہو تو ہو اے ماہ!　　قرب ہر روزہ بر سبیلِ دوام
تجھ کو کیا پایہ روشناسی کا　　جز بہ تقریب عید ماہِ صیام
جانتا ہوں کہ اس کے فیض سے تو　　پھر بنا چاہتا ہے ماہِ تمام

ماہ بن ماہتاب بن ، میں کون مجھ کو کیا بانٹ دے گا تو انعام
میرا اپنا جدا معاملہ ہے اور کے لین دین سے کیا کام
ہے مجھے آرزوئے بخششِ خاص گر تجھے ہے امیدِ رحمتِ عام
جو کہ بخشے گا تجھ کو فرّ فروغ کیا نہ دے گا مجھے مئے گل فام
جب کہ چودہ منازل فلکی کر چکی قطع تیری تیزیِ گام
تیرے پرتو سے ہوں فروغ پذیر کوئے ومشکوئے وصحن ومنظر و بام
دیکھنا میرے ہاتھ میں لب ریز اپنی صورت کا اک بلوریں جام
کہہ چکا میں تو سب کچھ اب تو کہہ اے پری چہرہ پیکِ تیز خرام
کون ہے جس کے در پہ ناصیہ سا ہیں مہ و مہر و زہرۂ و بہرام
تو نہیں جانتا تو مجھ سے سن نام شاہنشۂ بلند مقام
قبلۂ چشم و دل بہادر شاہ مظہر ذوالجلال والاکرام
شہسوارِ طریقۂ انصاف نو بہار حدیقۂ اسلام
اے ترا لطف ، زندگی افزا اے ترا عہد فرخی فرجام
چشم بددور خسروانہ شکوہ لو حش اللہ عارفانہ کلام
وارث ملک جانتے ہیں تجھے
ایرج و تور و خسرو و بہرام

## معنی اور اشارے:

| | |
|---|---|
| مہ نو | ماہ کا مخفف مہ، نیا چاند |
| اندام | جسم |
| بارے | ایک دفعہ، ایک بار |
| گردش ایام | زمانے کی گردش، دورہ، چکّر |
| دام | جال |
| مرحبا | شاباش، کلمہ تحسین |
| سرور | سردار |
| حبّذا | مرحبا کی طرح کلمہ تحسین، واہ واہ، شاباش |
| نشاط | خوشی |
| نمّام | غمّاز، چغل خور |
| انام | مخلوقات |
| حلقہ بگوش | فرمانبردار، غلام |
| بہ طرز استفہام | سوالیہ انداز میں |
| مہر تاباں | چمکدار سورج |
| قُرب ہر روز بر سبیل دوام | روز آنہ حضوری ہمیشہ کے لیے |
| روشناسی | جان پہچان، باریابی |
| جز | سوائے |

| | |
|---|---|
| صیام | صوم کی جمع ، بہ معنی روزہ |
| ماہ تمام | ماہ کامل، چودھویں کا چاند |
| بخشش | عنایت، مہربانی |
| فرِّ فروغ | روشنی کی شان |
| گلفام | گل رنگ، گلاب کے پھول کی طرح کا رنگ، مراد معشوق |
| منازل فلکی | آسمان کی منزلیں |
| قطع | کاٹنا |
| تیزیِ گام | تیز رفتار |
| پرتو | روشنی |
| فروغ پذیر | روشن |
| مشکو | محل سرا |
| منظر | نظارے کی جگہ |
| لب ریز | بھرا ہوا |
| بلوریں جام | صاف وشفاف پیالہ |
| پیک | قاصد |
| تیز خدام | تیز رفتار |
| ناصیہ | پیشانی |
| بہرام | ستارہ مریخ |
| مظہر ذوالجلال والاکرام | خدائے تعالیٰ کا مظہر جو جلال اور اکرام والا ہے |

| | |
|---|---|
| شہسوار | گھڑسواری کے فن کا استاد، کنایۃً کسی فن پر دسترس حاصل کرنے والا |
| حدیقہ | چمن |
| زندگی افزا | زندگی کو بڑھانے والا |
| عہد | زمانہ |
| فرخی انجام | مبارک انجام |
| چشمِ بدور | خدا نظرِ بد سے بچائے |
| لوحش اللہ | اللہ اس کو وحشت نہ دے کلمہ تعجب و تعظیم، ماشاءاللہ |
| ایرج | فریدوں بادشاہ کے بیٹے کا نام |
| تور | فریدوں بادشاہ کے بڑے بیٹے کا نام |
| خسرو | سیاؤش بن کیکاؤس کا بیٹا پرویز بن ہرمز نوشیرواں بھی جو شیریں کا عاشق تھا |
| بہرام | عراق کے ایک بادشاہ کا نام جسے بہرام گور بھی کہتے ہیں |

## معروضی سوالات:

1۔ مرزا غالبؔ کہاں پیدا ہوئے؟

(i) آگرہ (ii) دلی

(iii) لکھنؤ (iv) رامپور

2۔ مرزا غالبؔ کے والد کا کیا نام تھا؟

(i) نصراللہ بیگ (ii) عظیم اللہ بیگ

(iii) عبداللہ بیگ (iv) عبیداللہ بیگ

3۔ ''بادِ مخالف'' اور ''چراغ دیر'' کس کی تصانیف ہیں؟

(i) آزاد (ii) رجب علی بیگ سرور

(iii) مرزا قتیل (iv) مرزا غالب

4۔ مرزا غالب کا سنۂ وفات کیا ہے؟

(i) 1865 (ii) 1869

(iii) 1870 (iv) 1872

5۔ مرزا غالبؔ پہلے کیا تخلص استعمال کرتے تھے؟

(i) عسجد (ii) اسد

(iii) احمد (iv) اختر

## مختصر ترین سوالات:

1۔ مرزا غالبؔ کا سفر کلکتہ کس مقصد کے لیے تھا؟

2۔ غالبؔ نے کل کتنے قصیدے لکھے؟

## مختصر سوالات:

1۔ بہادر شاہ ظفر نے مرزا غالبؔ کو کس خطاب سے نوازا تھا۔

2۔ کس کے انتقال کے بعد مرزا غالبؔ مغل بادشاہ کے استاد مقرر ہوئے۔

## تفصیلی سوالات:

1۔ مرزا غالب کی شاعری کی امتیازی خصوصیات بیان کیجیے۔

2۔ قصیدہ نگاری میں مرزا غالب کا امتیاز کیا ہے؟

3۔ مرزا غالبؔ کے مختصر حالاتِ زندگی بیان کیجیے۔

## (2)

# امیر مینائی

[پیدائش 1826ء، وفات 1900ء]

امیرؔ مینائی کا پورا نام امیر احمد اور امیرؔ تخلص ہے۔ آپ لکھنؤ کے ایک علمی و دینی خانوادے میں 1826ء میں پیدا ہوئے۔ مولوی کرم محمد کے بیٹے اور مخدوم شاہ مینا کے خاندان سے تھے۔ اس وقت لکھنؤ علم وفن کا مرکز تھا۔ اس ماحول میں امیرؔ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ اور بعد میں علمائے فرنگی محل سے علوم متداولہ کی تکمیل کی۔ امیر علم طب، نجوم، جفر، لسانیات اور تصوف وفلسفہ وغیرہ سے واقف تھے۔ آپ کا شمار بڑے علما میں کیا جاتا ہے۔ آپ کو اردو، فارسی اور عربی زبان پر عبور حاصل تھا۔ امیرؔ کو بچپن سے ہی شعر وشاعری سے شغف تھا اور اس وقت لکھنؤ کی فضا ایسی تھی کہ ہر طرف شعر وشاعری کا چرچا تھا۔ چنانچہ امیرؔ نے بچپن ہی سے شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ کچھ دنوں بعد میر مظفر علی اسیرؔ کے شاگرد ہو گئے۔ اسیرؔ کی توجہ، رہنمائی اور سرپرستی سے امیرؔ کی شعری صلاحیتوں کو جلا ملی اور انھیں کے توسط سے واجد علی شاہ کے دربار میں رسائی ہوئی۔

1856ء میں جب اودھ سلطنت کو انگریزوں نے اپنے ممالک محروسہ میں شامل کر لیا تو امیرؔ مینائی رامپور چلے گئے۔ وہاں ان کی خوب پذیرائی ہوئی۔ نواب کلب علی خاں والیِ رامپور کے استاد مقرر ہوئے۔ اس زمانے میں انھوں نے نظیر اللغات اور امیر اللغات لکھنی شروع کی۔ ابھی دو جلد ہی لکھی تھی کہ نواب صاحب کا انتقال ہو گیا۔ داغؔ دہلوی کی دعوت پر حیدر آباد گئے۔ لیکن جاتے ہی ایسا بیمار پڑے کہ پھر جانبر نہ ہو سکے۔ کچھ دنوں کے بعد 1900ء میں حیدر آباد میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

امیؔر مینائی ایک قادرالکلام شاعر تھے۔ دبستان دہلی کی داخلیت اور دبستان لکھنؤ کی خارجیت کا حسین امتزاج ان کی شاعری میں موجود ہے۔ ان کے کلام میں زبردست تنوع اور رنگارنگی ہے۔ انھوں نے حمد، نعت، غزل، قصیدہ اور مثنوی جیسی تقریباً ہر صنف میں طبع آزمائی کی ہے۔ مگر ان کی خاص وجہ شہرت ان کی نعتیہ شاعری ہے۔ انھوں نے عشق حقیقی اور سوز وگداز کے ساتھ کیف وانبساط کی ترنگوں کو انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ اپنی غزلوں میں سمویا ہے۔ ان کی شاعری میں ایک طرف استادی نظر آتی ہے تو ساتھ ہی ساتھ سچی شاعری کے نمونے بھی ملتے ہیں۔ کلام سراسر ہموار ہے جس میں موزونیت، نازک خیالی، پختگی، مضمون آفرینی اور تصوف نے ایک رنگارنگ پھول کھلا دیا ہے۔

قصیدہ گوئی میں امیؔر مینائی کی اہمیت مسلم ہے۔ انھوں نے قصیدے کی فصاحت و بلاغت کے پہلو پر بہت زور دیا ہے۔ علمی اور فنی بے راہ روی سے اجتناب کیا ہے۔ مضمون آفرینی ان کی گھٹی میں ہے، مگر ساتھ ہی تخیل کا اعتدال بھی ان کے یہاں پایا جاتا ہے۔ استعارے پر وہ جان دیتے ہیں مگر ان کے استعارے تہہ در تہہ اور ورق اندر ورق نہیں ہوتے۔ شکوہ الفاظ اور شوکتِ تراکیب میں وہ الفاظ کی تراش خراش اور برجستگی کو ملحوظ رکھتے ہیں۔

امیؔر مینائی نے متعدد تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ ان کی دو کتابوں کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اس کے علاوہ ''مراۃ الغیب'' اور ''صنم خانۂ عشق'' کے نام سے دو دیوان مرتب کیے۔ ''نور تجلی'' اور ''ابر کرم'' ان کی دو مثنویاں اخلاق و معرفت کے موضوع پر ہیں۔ اس کے علاوہ متعدد مسدس اور واسوخت ان سے منسوب ہیں۔ ایک نعتیہ دیوان ''محامد خاتم النبیین'' ہے۔ ''امیر اللغات'' ان کا ایک عدیم المثال کارنامہ ہے۔

## در مدح نواب کلب علی خاں بہادر والی رام پور

شش جہت میں ہے جو یہ خورشیدِ یکتائے جہاں
گرد پھر پھر کر فدا ہوتے ہیں ساتوں آسماں

حبّذا وہ چشم ہو جس کو قدم بوسی نصیب
حبّذا وہ سر جو ہو صرفِ سجودِ آستاں

اے خوشا وہ سر زمیں جائیں جدھر اس کے قدم
اے خوشا کشور پھرے جس کی طرف اس کی عناں

مرحبا اس کو جو صبح و شام ہے اس کا مطیع
آفریں اس کو جو روز وشب ہے اس کا مدح خواں

ہے وہی دل جس میں ہے اس کی محبت کا مقام
ہے وہی سینہ ہے جس میں اس کی الفت کا مکاں

رستمی میں رشکِ رستم زور میں افراسیاب
ہمتِ عالی میں حاتم ، عدل میں نوشیرواں

طفلِ مکتب ہے ارسطو وہ جہاں دے درسِ علم
روبرو اس کے فلاطوں ، عامیِ کج مج زباں

شان دارائی کرے نظارہ دارا سے کہو
شوکت و اقبال کو دیکھے سکندر ہے کہاں

فی الحقیقت ختم ہے اس پر رعایا پروری
واقعی ایسا شریفوں کا کہاں ہے قدر داں

دست گیری کی ضعیفوں کی قوی بازو ہوئے
حق یہ ہے محنت نہیں جاتی کسی کی رائگاں

شہرۂ بخشش سے خلقت ہے در دولت پر جمع
جیسے مسجد میں مصلّی آتے ہیں سن کر اذاں

آئے اس کے سامنے مقصود کو پہنچے وہ پیر
ڈھونڈھتے تھے موسمِ طفلی سے جو بختِ جواں

قلبِ روشن ہے وہ آئینہ کہ جس میں مثلِ عکس
صاف آتے ہیں نظر اشکالِ اسرارِ جہاں

شہر ، گلشن ، بت کدہ ، مے خانہ ، مسجد ، خانقاہ
سب ہیں خالی در پہ اس کے جمع ہے سارا جہاں

دامنِ لطف و کرم جب تک نہ تھا اس کا دراز تھا سفینہ آرزوئے خلق کا بے بادباں
خاک کو اس کی نگاہ مہر کر دیتی ہے زر جیسے نخلِ تازہ اعجاز نبی سے استخواں
عہدِ نصفت عہد میں سرکش نظر آتے نہیں خوف کے مارے ہے آتش سنگ و آہن میں نہاں
جس طرف چاہے اسے پھیرے اسے ہے اختیار ابلقِ ایّام کی ہے دستِ قدرت میں عناں
زورِ بازوے توانا سے کہا وہ ہو گئی پہلوانوں سے نہ کھنچ سکتی تھی جو مطلق کماں
ہمتِ عالی سے ہیں دل ہائے عالم مطمئن ہے عصائے پیر حرزِ طفل شمشیرِ جواں
ذکر خط کیا خطِ پیشانی کو پڑھ لیں کم سواد بہر کُحلِ چشم لے جائیں جو خاکِ آستاں
تا کجا طولِ سخن اب ہے مناسب اختصار کس سے ہوسکتا ہے اوصافِ معلّٰی کا بیاں
جب تلک روشن رہیں افلاک پر خورشید و ماہ جب تلک گردش کرے روے زمین و آسماں
جب تلک ہو سنگ سے پیدائشِ یاقوت و لعل جب تلک شاخوں سے غنچے گل ہوں غنچوں سے عیاں
مثلِ گل احباب تیرے اس چمن میں سرخ رو
روے دشمن زرد یارب صورتِ بادِ خزاں

## معنی اور اشارے:

| | |
|---|---|
| شش جہت | اطرافِ عالم، یعنی پورب، پچھّم، اتر، دکھن، اوپر، نیچے |
| یکتائے جہاں | وہ جس کا زمانے میں کوئی مثل نہ ہو، ایک، لاجواب، بے جوڑ، بے مثل |
| فدا ہونا | قربان ہونا |
| حبّذا | مرحبا کی طرح کلمۂ تحسین، واہ واہ |
| قدم بوسی | تعظیماً پاؤں چومنے یا پاؤں کو ہاتھ لگانے کا عمل پابوسی، کنایۃً کسی بزرگ یا عالی مرتبت شخص کی خدمت میں حاضر ہونے کا عمل |
| سجود | سجدہ کی جمع، خدا کے سامنے زمین پر سر رکھنا |
| آستاں | دہلیز، چوکھٹ، دربار |
| خوشا | بہت خوش، بہت خوب |
| کشور | ملک، ولایت |
| عناں | لگام، باگ |
| مرحبا | شاہ باش، آفریں، واہ واہ |
| آفریں | مبارکباد |
| مدح خواں | تعریف کرنے والا |
| رستمی | مردانگی، شجاعت، بہادری، جرأت، دلیری |
| افراسیاب | توران کے ایک بادشاہ کا نام، جسے جادوگروں کا سب سے بڑا بادشاہ کہا جاتا ہے |
| حاتم | ایک شخص کا نام جو اپنی سخاوت کے لیے مشہور ہے |

| | |
|---|---|
| نوشیرواں | فارس کے ایک بادشاہ کا نام جو اپنے عدل وانصاف کے لیے مشہور |
| ارسطو | مشہور یونانی فلسفی مفکر جو افلاطون کا شاگرد اور سکندر کا استاد تھا |
| فلاطون | ایک قدیم یونانی فلسفی جو علم وحکمت اور فضل وکمال کے لیے مشہور تھا |
| عامی | معمولی، سطحی، کم علم |
| کج مج | پیچیدہ، الجھا ہوا، غیرواضح مبہم |
| دارا | فارس کے ایک بادشاہ کا نام جس نے سکندر سے زور آزمائی کی تھی |
| شوکت واقبال | شان وشوکت، جاہ ومرتبہ |
| سکندر | سکندراعظم، یونان کا عظیم فاتح |
| رعایاپروری | رعیت پر مہربانی، شفقت، سرپرستی |
| دست گیری | معاون، سہارا دینے والا، حمایت کرنے والا |
| رائگاں | بےکار، عبث |
| خلقت | مخلوق، لوگ |
| بخت خواں | خوش نصیب |
| قلب | دل |
| اشکال | شکل کی جمع |
| دراز | طویل، لمبا |
| سفینہ | کشتی |
| بے بادباں | بغیر پتوار کے، بے پال کے |
| زر | سونا، قیمتی شے |

| | |
|---|---|
| نخلِ تازہ | تازہ درخت |
| اعجاز | معجزہ |
| استخواں | ہڈی |
| عہد | زمانہ |
| نصفت | انصاف، عدل |
| سرکش | مغرور، باغی، بپھرا ہوا |
| آتش | آگ |
| سنگ | پتھر |
| آہن | لوہا |
| نہاں | پوشیدہ، چُھپا ہوا |
| ابلق ایّام | دن اور رات جو کہ سیاہی سپیدی اور تیزی میں چتکبرے گھوڑے کے مشابہ ہے |
| عِناں | لگام، باگ |
| توانا | طاقتور |
| عصائے پیر | وہ لاٹھی جسے بوڑھے استعمال کرتے ہیں، بڑھاپے کا سہارا |
| حرزِ طفل | بچوں کی پناہ گاہ، مامن |
| کم سواد | کم علم، محدود علم رکھنے والا، کم پڑھا لکھا |
| بہرِ کُحل | سرمہ کے لیے |
| مُعلّٰی | بڑی عظمت والا، عالی مرتبت |
| اوصاف | وصف کی جمع، خصوصیات |

| | |
|---|---|
| یاقوت | ایک قیمتی پتھر جو سرخ، نیلا، زرد یا سفید ہوتا ہے |
| لعل | سرخ قیمتی پتھر |
| عیاں | ظاہر |
| احباب | مُحِب کی جمع، بمعنی دوست |
| سرخ رو | کامیاب |
| صورتِ بادِخزاں | بادِخزاں کی طرح |

## معروضی سوالات:

1۔ امیر مینائی کہاں پیدا ہوئے؟

(i) فیض آباد　(ii) لکھنؤ

(iii) رامپور　(iv) فرخ آباد

2۔ ارشادالسلطانی اور ہدایت السلطانی کس کی تصانیف ہیں۔

(i) امیر مینائی　(ii) مصحفی

(iii) ناسخ　(iv) منیر شکوہ آبادی

3۔ امیر مینائی شاعری میں کس کے شاگرد تھے؟

(i) میر علی اوسط رشک　(ii) شیخ امام بخش ناسخ

(iii) میر مظفر علی اسیر　(iv) حیدر علی آتش

4۔ امیر مینائی کا انتقال کہاں ہوا؟

(i) رامپور　(ii) لکھنؤ

(iii) الہ آباد　(iv) حیدرآباد

## مختصر ترین سوالات:

1۔ امیرؔ مینائی کا تعلق کس خاندان سے تھا؟

2۔ امیرؔ مینائی کا انتقال کب اور کہاں ہوا؟

## مختصر سوالات:

1۔ امیرؔ مینائی کی دو مشہور کتابوں کے نام لکھیے۔

2۔ امیرؔ مینائی کے دواوین کے نام لکھئے۔

3۔ امیرؔ مینائی کی اصل شہرت کس صنف کی وجہ سے ہے؟

## تفصیلی سوالات:

1۔ امیرؔ مینائی کی غزلوں کی خصوصیات بیان کیجیے۔

2۔ قصیدہ گوئی میں امیرؔ مینائی کا کیا امتیاز ہے؟

3۔ امیرؔ مینائی کی ادبی خدمات پر روشنی ڈالیے۔

4۔ امیرؔ مینائی کے حالات زندگی مختصراً بیان کیجیے۔

# (3)

# منیرؔ شکوہ آبادی

[پیدائش 1814ء، وفات 1880ء]

منیرؔ شکوہ آبادی 1814ء میں شکوہ آباد، ضلع فیروز آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام سید اسمٰعیل حسین تھا۔ منیرؔ تخلص کرتے تھے۔ ان کے والد کا نام منشی احمد حسین تھا۔ ابتدائی تعلیم و تربیت آگرہ میں ہوئی۔ جہاں ان کے والد بسلسلۂ ملازمت مقیم تھے۔ پھر لکھنؤ آ گئے۔ لکھنؤ کے شعری ماحول نے منیر کو شاعری کی طرف مائل کیا۔ غالبؔ کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہونا چاہتے تھے، لیکن غالبؔ نے کسی وجہ سے انکار کر دیا۔ پہلے ناسخؔ سے مشورۂ سخن کیا۔ پھر علی اوسط رشکؔ کی شاگردی اختیار کی۔ یہاں وہ باندہ کے نواب کے متوسلین میں شامل ہو گئے۔ لیکن انگریزوں کی مداخلت کی وجہ سے نواب کو تخت و تاج چھوڑنا پڑا۔ اس کے بعد منیرؔ اس گروہ میں شامل ہو گئے، جو انگریزوں سے انتقام لینا چاہتا تھا۔ لیکن یہ گروہ گرفتار کر لیا گیا اور ایک طویل عرصے تک قید و بند کی صعوبتیں جھیلتا رہا۔ آخر میں منیرؔ رامپور دربار سے وابستہ ہو گئے اور 1880ء میں رامپور میں وفات پائی۔

منیرؔ شکوہ آبادی دبستان ناسخؔ کے آخری نمائندہ شاعر ہیں۔ ان کی شاعری پر ناسخؔ کا اثر بہت نمایاں ہے۔ انھوں نے سنگلاخ زمینوں میں طویل طویل غزلیں کہی ہیں۔ رعایت لفظی ان کی غزلوں کی خاص پہچان ہے۔ انھوں نے غزل میں بھی قصیدہ کا شکوہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

منیرؔ اصلاً غزل کے شاعر ہیں، لیکن ان کے قصیدے کم اہم نہیں۔ انھوں نے ناسخؔ کی اصلاح زبان کی تحریک کو قصیدوں پر بھی آزمایا۔ ان کے قصیدے بلاغت و بیان کا عمدہ نمونہ ہیں۔ دقت پسندی اور مشکل بیانی ان کے قصیدوں کا

خاص وصف ہے۔اور کسی قدر بھاری پن اور شوکت بھی۔وہ مشکل الفاظ ولغات کے انتخاب سے بھی گریز نہیں کرتے۔ان کے قصیدے حقیقت نگاری کی اچھی مثال ہیں۔ان کے قصیدے واقعہ نگاری کے مرقع ہوتے ہیں۔انھوں نے اپنی اسیری کی زندگی کے حالات کا ذکر بڑے کرب سے کیا ہے۔درباری قصیدوں میں ممدوح کے درباروں اور ان کے معمولات کا منظر کھینچتے ہیں۔شہر کی رنگینیوں کا حال بیان کرتے ہیں۔ان کے قصیدوں کی تشبیہوں میں نیا پن ہے۔

واقعہ نگاری، مقامی رنگ اور جدت تشبیہ کے لحاظ سے منیر شکوہ آبادی کے قصیدوں کی اہمیت کسی طرح کم نہیں۔ان کے قصیدے اظہار فضل وکمال کا ذریعہ بھی ہیں اور جذبات و واقعات کا آئینہ دار بھی۔

## درتہنیت غسل صحت نواب تجمل حسین خاں فرخ آباد

قلزمِ فیض سے کس کے ہوئے پیدا گوہر اپنے کوزے میں لیے پھرتے ہیں دریا گوہر
دست گیری ہوئی پامالوں کی کس کو منظور آبلوں سے ہوئے کس واسطے مانا گوہر
کس خدا دوست کے ہاتھوں میں پہنچنے کے لیے کرتے ہیں دانۂ تسبیح سے رشتا گوہر
غسلِ صحت کی خوشی کون سے فیاض نے کی کس کے صدقے کے لیے لائے ہیں دریا گوہر
یارب آئی ہے یہ کس کی شبِ جشنِ عشرت آج تاروں کے لٹاتا ہے مسیحا گوہر
محفل رقص میں کس نے یہ گہر باری کی چرخ سے لوٹنے کو آئی ہے زہرا گوہر
وہ فلک مرتبہ نواب نصیر الدولہ صدفِ قدرتِ حق کا ہے جو یکتا گوہر
دستِ پُر نور سے سائل کو جو بخشا گوہر ہو گیا دستِ گدا میں یدِ بیضا گوہر
فیضِ بالا سے نہیں اہلِ عدم بھی محروم فرطِ بخشش سے ہوئے بیضۂ عنقا گوہر
آپ کے فیض نے جب ابرِ کرم برسایا رعد کے بدلے گرجنے لگے کیا کیا گوہر
تیرے دریائے کرم کی نہ ملے گی کبھی تھاہ آب میں اپنے عبث کھاتے ہیں غوطا گوہر
تیز ایسا ہے یہ گھوڑا دمِ رفتار اگر پھینک دو ڈھال جگہ میں کوئی اچھا گوہر
شش جہت میں یہ فلک سیر پھر آئے جاکر ایک پہلو بھی نہ بدلے ابھی اصلا گوہر
ہاتھی ایسا ہے سبک رو کہ قدم سے جس کے ٹوٹنا کیا کہ نہ ہو نام کو میلا گوہر

پانی خرطوم سے پھینکا تو بنا دُرِّ خوش آب　　برسے اس ابرِ سیہ مست سے کیا کیا گوہر
دیکھ کر موتیوں کی جھولی یہ سب کہتے ہیں　　پہنے پھرتی ہے عَروسِ شبِ یلدا گوہر
ختم کرتا ہے دعا پر تری تعریف مُنیرؔ　　ہاتھ آتا نہیں اب نظم کا اچھا گوہر
ابر نیساں رہے جب تک کہ دُر افشاں یارب!　　قلزم دہر میں جب تک کہ ہوں پیدا گوہر
میرے نواب ہمیشہ ہوں صحیح و سالم　　مسند آرا رہے تا حشر یہ والا گوہر
عمر و اقبال زیادہ ہو عطا ہو فرزند　　روز برسیں درِ دولت پہ خدایا گوہر
اپنے مداح کی اب عرض خداوند سنیں　　نذر کے واسطے لایا ہوں میں کیا کیا گوہر
سچ یہ ہے آپ سخن گو بھی سخن فہم بھی ہیں　　دیکھیے ان میں سے کوئی نہیں چھوٹا گوہر

منہ مرا گوہرِ انعام سے ہو مالا مال
دہنِ افکار کے ہوں دانت سراپا گوہر

## معنی اور اشارے:

| | |
|---|---|
| قُلزمِ فیض | عنایت ومہربانی کا سمندر، کنایہ ہے سخی اور اہل کرم کی فیاضی اور سخاوت |
| گوہر | موتی |
| کوزہ | مٹی کا برتن |
| دست گیری | حاجت روائی، مدد، معاونت، حمایت |
| آبلہ | چھالا، پھپھولا |
| خدادوست | حق شناس، خداشناس |
| فیاض | فیض پہنچانے والا، بہت سخی، دریادل |
| جشنِ عشرت | عیش ونشاط کی محفل، خوشی کی محفل |
| مسیحا | مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام، مجازاً، معشوق، محبوب، بیمار کو اچھا کرنے والا، مردہ یا بیمار قوم میں نئ زندگی کی روح پھونکنے والا۔ |
| گُہر باری | موتی لٹانا، گُہر افشانی، فیاضی، سخاوت |
| زہرہ | ایک ستارہ کا نام |
| صدف | سیپی، موتی |
| سائل | سوال کرنے والا، حاجت مند، ضرورت مند، مجازاً بھکاری، گداگر |
| یدِ بیضا | حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کی تلمیح، کنایۃً چمکتا ہوا ہاتھ، سفید ہاتھ |
| عدم | نیستی، معدوم ہونے کی حالت، نہ ہونا |
| فرطِ بخشش | عنایت ومہربانی کی زیادتی |

| | |
|---|---|
| عنقا | ایک خیالی پرندے کا نام جس کا وجود نہیں، نایاب، نادر، ناپید، معدوم، غائب |
| بیضہ | انڈا |
| رعد | بجلی کی چمک، بادل کی گرج، گرج دار آواز |
| تھاہ | سمندر دریا کی تہہ، بھید، حقیقت، گہرائی |
| شش جہت | چھ سمت |
| سُبک رو | تیز رفتار |
| خُرطوم | ہاتھی کی سونڈ |
| ابر سیہ | گہرا بادل، کالی گھٹا |
| عروس | دلھن |
| شبِ یلدا | تاریک رات |
| ابر نیساں | بارش |
| دُرافشاں | موتی بکھیرنے والا، مجازاً خوش بیان |
| مسند آرا | گدی نشیں، تخت نشیں، مسند نشیں |
| سُخن گو | خوش گفتار، خوش بیان، کنایۃً شاعر |
| سُخن فہم | شاعری کو سمجھنے والا، سخن شناس |
| دہن | منھ |

## معروضی سوالات:

1۔ منیرؔ شکوہ آبادی کا اصل نام کیا تھا؟

(i) سید ابراہیم حسین (ii) سید اسمٰعیل حسین

(iii) سید تصدق حسین (iv) سید تجمل حسین

2۔ منیر شکوہ آبادی کب پیدا ہوئے؟

(i) 1814 (ii) 1810

(iii) 1818 (iv) 1820

3۔ منیرؔ شکوہ آبادی کس کے شاگرد تھے؟

(i) آتش (ii) غالب

(iii) مصحفی (iv) رشک

4۔ منیر شکوہ آبادی کی وفات کہاں ہوئی؟

(i) شکوہ آباد (ii) رامپور

(iii) لکھنؤ (iv) دلی

## مختصر ترین سوالات:

1۔ منیرؔ شکوہ آبادی کس کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہونا چاہتے تھے؟

2۔ منیرؔ شکوہ آبادی کے والد بہ سلسلۂ ملازمت کہاں مقیم تھے؟

## مختصر سوالات:

1۔ دبستان ناسخ کے آخری نمائندہ شاعر کون ہے؟

2۔ منیرؔ شکوہ آبادی کے قصیدوں کا خاص جوہر کیا ہے؟

## تفصیلی سوالات:

1۔ منیرؔ شکوہ آبادی کی غزلوں کی کیا خصوصیات ہیں؟

2۔ منیرؔ شکوہ آبادی کے قصیدہ نگاری کے امتیازی خصوصیات بیان کیجیے۔

3۔ منیرؔ شکوہ آبادی کے حالات زندگی مختصراً بیان کیجیے۔

# 4- مرثیہ

مرثیہ اردو شاعری کی ایک اہم اور قدیم صنف ہے۔اس کا سراغ تو اسی وقت سے ملتا ہے جب کہ اردو شاعری وجود میں آئی تاہم سوداؔ سے پہلے نہ تو اس کی کوئی مخصوص ہیئت تھی اور نہ اس کی کوئی ادبی حیثیت متعین ہوئی تھی۔شاہان اودھ کی ادب نوازی اور حوصلہ افزائی کی بدولت اسے لکھنؤ میں بے حد فروغ حاصل ہوا اور اس کی ایک مستقل حیثیت و اہمیت ہوگئی۔

میر خلیقؔ اور ضمیرؔ کے زمانہ میں مرثیہ کی ایک شکل مخصوص ہوگئی۔اب مراثی مسدس کی شکل میں نظم ہونے لگے۔ مذکورہ اساتذۂ کرام کے بعد انیسؔ و دبیرؔ نے اس صنف میں چار چاند لگادیے۔ یہ دونوں حریف بزم میدانِ ادب میں اترے اور ان کی معرکہ آرائیوں سے لکھنؤ کی ادبی فضا گونجنے لگی۔''انیسیوں'' اور''دبیریوں'' کی بحثیں آج تک لکھنؤ میں گرمی محفل کا سبب بنی ہوئی ہیں۔ ہر چند کہ دبیر ایک قادرالکلام شاعر تھے مگر جو تاثیر اور فن کارانہ حسن انیسؔ کے کلام میں ملتا ہے وہ دبیرؔ کے کلام میں نہیں ملتا۔

دورِ حاضر میں جوشؔ ملیح آبادی اور جمیل مظہری نے عام روش سے گریز کر کے مراثی لکھے ہیں۔

جوشؔ کی نظمیں پڑھ کر ہم صرف امام کی مظلومی اور مجبوری پر ماتم نہیں کرتے اور آنسو نہیں بہاتے بلکہ ان کی خودداری، عزم محکم و بلندی ہمت کے آگے سرعقیدت خم کرتے ہیں۔ وہ حضرت امام حسین کی عظیم الشان قربانی کا واسطہ دے کر حکمراں قوم کے ظلم و تشدد کا مقابلہ کرنے کا پیغام قوم کو دیتے ہیں۔

عام طور سے لوگ مرثیہ کا مطلب محض واقعات کربلا کا بیان ہی سمجھتے ہیں لیکن ایسا نہیں ہے۔خوشی اور مسرت کے بیان کے ساتھ ساتھ رنج وغم اور اپنے عزیز واقارب کی وفات پر سوگ کا اظہار زندگی کے ساتھ وابستہ ہے۔شاعرانہ زبان میں اسی اظہار کو مرثیہ کہتے ہیں۔ یہ ایک مفید اور کارآمد صنف سخن ہے جس کے ذریعہ شاعر غم انسانی کا شریک بن سکتا ہے۔

چنانچہ غالبؔ کا مرثیۂ عارف، حالیؔ کا مرثیۂ غالب، چکبست کے مراثی، شبلیؔ کا مرثیۂ اسحاق، اقبالؔ اور مولانا احسن کا مرثیۂ داغ اسی زمرے کی چیزیں ہیں۔ان مراثی کو شخصی مرثیے کے زمرے میں رکھا جاتا ہے اور عمومی طور پر اگر مرثیہ کہا جائے تو اس سے مراد کربلائی مرثیے ہی سے ہوتی ہے۔

انتخاب میں ایک خاص اصول سے کام لیا گیا ہے۔ میر انیسؔ کے ایک مشہور مرثیے کا طویل اقتباس منتخب کیا گیا ہے تاکہ ہر قسم کی قدرتی مناظر اور انسانی جذبات واحساسات کی تصویر کشی کا نقشہ طلبہ کے سامنے کھنچ جائے۔ پچھلے نصاب میں دبیرؔ کا مرثیہ کورس سے خارج کر دیا گیا تھا اس لیے محض تین مختصر اقتباسات شامل کیے گئے ہیں جس سے طلبہ میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کے طرز کلام کا فرق محسوس کر سکیں۔ان کے علاوہ مراثی کے چند دیگر نمونے بھی شامل کر دیے گئے ہیں۔

# (1)

# میر انیس

[پیدائش 1802ء، وفات 1874ء]

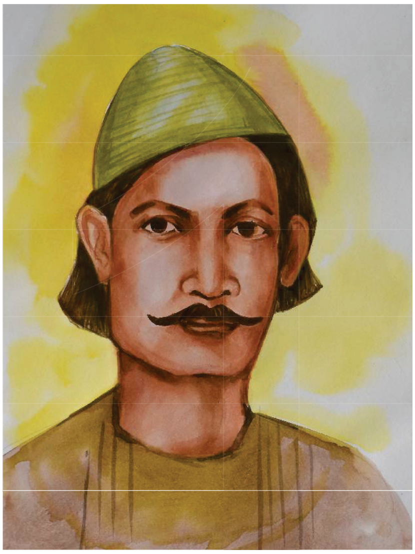

میر ببر علی نام اور انیسؔ تخلص۔ 1802ء میں فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام میر مستحسن خلیقؔ اور دادا میر حسن دہلوی جو میر ضاحک کے صاحبزادے تھے۔ گویا سارا خاندان علم و فضل کا حامل تھا، سالہا سال سے زبان کی خدمت کر رہا تھا اور کئی پشتوں سے ان کے خاندان میں شاعری کی روایت چلی آ رہی تھی۔ ان کے گھرانے کی زبان اردوئے معلّیٰ کے لحاظ سے تمام زمانے میں مستند سمجھی جاتی تھی۔ میر انیسؔ نوجوانی میں اپنے والد کے ساتھ لکھنؤ چلے آئے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ لکھنؤ رثائی ادب کی فضا سے معطر تھا۔ مسلم شعرا کے علاوہ ہندو شعرا بھی مرثیہ نگاری میں اپنے جوہر دکھا رہے تھے۔ میر انیس کی شاعری کا آغاز حسب روایت غزل گوئی سے ہوا۔ یہی وہ زمانہ ہے جب میر انیس حزیںؔ تخلص فرماتے تھے۔ ایک موقع پر

ان کی اپنے والد کے ساتھ امام بخش ناسخ سے ملاقات ہوئی، کہا جاتا ہے کہ انھوں نے حزیںؔ کے بجائے انیسؔ تخلص اختیار کرنے کا مشورہ دیا جو انھوں نے تسلیم کرلیا۔

انیسؔ نے عربی فارسی درسیات فیض آباد میں میر نجف علی سے اور لکھنؤ میں مولوی حیدر علی اور مفتی میر عباس سے پڑھی۔ میر انیسؔ نے والد کے کہنے پر غزل گوئی ترک کی اور مراثی کی طرف متوجہ ہوگئے اور اس صنف کو آسمان پر پہنچا دیا۔

میر انیسؔ نے بہتر سال کی عمر میں 1874ء میں لکھنؤ میں انتقال کیا۔ جب تک لکھنؤ آباد رہا اور یہاں شاعری کی رونقیں قائم رہیں، میر انیسؔ لکھنؤ چھوڑ کر کہیں نہیں گئے۔ جب اودھ پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا تو میر انیسؔ دوسرے شہروں میں مرثیہ خوانی کے لیے جانے پر مجبور ہوگئے۔ انھوں نے عظیم آباد (پٹنہ)، بنارس، الہ آباد اور حیدر آباد میں مجلسیں پڑھیں۔

میر انیسؔ کا شمار اردو زبان و ادب کے عظیم شاعروں میں ہوتا ہے۔ ان کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے صنفِ مرثیہ کو بام عروج پر پہنچا دیا اور اسے ایسا فروغ دیا کہ ترقی کے مزید سارے امکانات مسدود ہوگئے۔ انھوں نے فن مرثیہ کو آفاقیت عطا کی اور اس کے معیار و میزان مقرر کیے۔ مرثیہ میں نئے نئے موضوعات شامل کرکے اس کے دامن کو وسیع کیا، اسے مذہب سے وابستہ کرکے اُسے ارفع و اعلیٰ بنا دیا۔ مرثیہ میں رزمیہ کی شان پیدا کی اور اس میں انسانی جذبات و احساسات اور ڈرامائی عناصر کا اضافہ کرکے اردو مرثیہ کو دنیا کی اعلیٰ ترین شاعری کی صف میں لا کھڑا کیا۔

میر انیسؔ کو زبان و بیان پر بے پناہ قدرت حاصل تھی۔ الفاظ کے انتخاب، اس کے دروبست اور اس کے مناسب اور موزوں استعمال کی خوبی سے اچھی طرح واقف تھے۔ ان کا امتیاز یہ ہے کہ ہر قسم کے جذبات کو حفظِ مراتب کے لحاظ سے اس طرح نظم کرتے ہیں کہ کرداروں کی پوری تفصیل نمایاں ہوجاتی ہے۔ سلاست، فصاحت اور روانی ان کے یہاں قدم قدم پر موجود ہے۔ زبان کی لطافت، محاورات کی دلآویزی اور روزمرہ کا استعمال بھی خوب ہے۔ متانت و سنجیدگی ان کے کلام کی جان ہے۔ تشبیہات و استعارات کے نہایت دلکش نقش و نگار ان کے کلام میں پائے جاتے ہیں۔ صنائع و بدائع اور دیگر صنعتوں کا استعمال ان کے مرثیوں میں کثرت سے ہوا ہے۔ ان کے مرثیوں میں منظر نگاری، کردار نگاری، جذبات نگاری اور واقعہ نگاری کے اعلیٰ ترین نمونے ملتے ہیں۔ بحیثیت مجموعی واقعاتِ کربلا کی المناک ترجمانی میر انیسؔ کے فن کو معراج عطا کرتی ہے۔

# حضرت امام حسینؓ کا حضرت عباس کو علم سونپنا

جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے جلوہ کیا ، سحر کا رُخِ بے حجاب نے
دیکھا سوئے فلک ، شہِ گردوں رِکاب نے مڑ کر صدا رفیقوں کو دی ، اس جناب نے
آخر ہے رات ، حمد و ثنائے خدا کرو
اٹھّو! فریضۂ سحری کو ادا کرو

یہ صبح ہے وہ صبح مبارک ہے جس کی شام یاں سے ہوا جو کوچ تو ہے خلد میں مقام
کوثر پہ آبرو سے پہنچ جائیں تشنہ کام لکھّے خدا نماز گزاروں میں سب کے نام
سب ہیں وحیدِ عصر ، یہ غل چار سُو اُٹھے
دنیا سے جو شہید اٹھے ، سرخ رُو اُٹھے

یہ سن کے بستروں سے اٹھے وہ خدا شناس اِک اِک نے زیبِ جسم کیا فاخرہ لباس
شانے محاسنوں میں کئے سب نے بے ہراس باندھے عمامے آئے امامِ زماں کے پاس
رنگیں عبائیں دوش پہ کمریں کسے ہوئے
مشک و زباد و عطر میں کپڑے بسے ہوئے

پانی نہ تھا وضو جو کریں وہ فلک مآب پر تھی رخوں پہ خاکِ تیمّم سے طرفہ آب
باریک ابر میں نظر آتے تھے آفتاب ہوتے ہیں خاکسار غلامِ ابو تراب
مہتاب سے رخوں کی صِفا اور ہو گئی
مٹی سے آئینوں میں جِلا اور ہو گئی

خیمے سے نکلے شہ کے عزیزانِ خوش خصال جن میں کئی تھے حضرتِ خیرُ النّسا کے لال
قاسم سا گل بدن علی اکبر سا خوش جمال اِک جا عقیل و مسلم و جعفر کے نو نہال
سب کے رخوں کا نور سپہرِ بریں پہ تھا
اٹھّارہ آفتابوں کا غُنچہ زمیں پہ تھا

وہ صبح اور وہ چھاؤں ستاروں کی اور وہ نور دیکھے تو غش کرے اَرِنی گوئے اوجِ طور
پیدا گلوں سے قدرتِ اللہ کا ظہور وہ جا بجا درختوں پہ تسبیح خواں طیور
گلشن خَجِل تھے وادیِ مینو اساس سے
جنگل تھا سب بسا ہوا پھولوں کی باس سے

ٹھنڈی ہوا میں سبزۂ صحرا کی وہ لہک شرمائے جس سے اطلسِ زنگاریِ فلک
وہ جھومنا درختوں کا پھولوں کی وہ مہک ہر برگِ گل پہ قطرۂ شبنم کی وہ جھلک
ہیرے خجل تھے گوہرِ یکتا نثار تھے
پتّے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

وہ دشت وہ نسیم کے جھونکے وہ سبزہ زار پھولوں پہ جا بجا وہ گہر ہائے آب دار
اٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار
خواہاں تھے نخلِ گلشنِ زہرا جو آب کے
شبنم نے بھر دیے تھے، کٹورے گلاب کے

وہ قمریوں کا چار طرف سرو کے ہجوم کوکو کا شور، نالۂ حق سرّہٗ کی دھوم
سبحانَ ربّنا کی صدا تھی علی العموم جاری تھے وہ جوان کی عبادت کے تھے رسوم
کچھ گل فقط نہ کرتے تھے ربِّ عُلا کی حمد
ہر خار کو بھی نوکِ زباں تھی، خدا کی حمد

کانٹوں میں اک طرف تھے ریاضِ نبی کے پھول      خوشبو سے جن کی خُلد تھا جنگل کا عرض وطول
دنیا کی زیب و زینتِ کاشانۂ بتول      وہ باغ تھا لگا گئے تھے خود جسے رسول
ماہِ عزا کے عَشرۂ اول میں لٹ گیا
وہ باغیوں کے ہاتھ سے جنگل میں لٹ گیا

اللہ رے خزاں کے دن اس باغ کی بہار      پھولے سماتے تھے نہ محمدؐ کے گل عذار
دولھا بنے ہوئے تھے اجل تھی گلوں کا ہار      جاگے وہ ساری رات کے وہ نیند کا خمار
راہیں تمام جسم کے خوشبو سے بس گئیں
جب مسکرائے پھولوں کی کلیاں بکس گئیں

ناگاہ چرخ پر خطِ اَبیض ہوا عیاں      تشریف جا نماز پہ لائے شہِ زماں
سجادے بچھ گئے عقبِ شاہِ اِنس و جاں      صَوتِ حسن سے، اکبرِ مہ رؤ نے دی اذاں
ہر اک کی چشم آنسوؤں سے ڈبدبا گئی
گویا صدا رسولؐ کی کانوں میں آ گئی

چپ تھے طیور جھومتے تھے وجد میں شجر      تسبیح خواں تھے برگ و گل و غنچہ و ثمر
محوِ ثنا، کلوٗخ ونباتات و دشت و در      پانی سے منھ نکالے تھے دریا کے جانور
اِعجاز تھا کہ دل برِ شبّیر کی صدا
ہر خشک و تر سے آتی تھی تکبیر کی صدا

فارغ ہوئے نماز سے جب قبلۂ اَنام      آئے مصافحے کو جوانانِ تشنہ کام
چومے کسی نے دستِ شہنشاہِ خاص و عام      آنکھیں ملیں قدم پہ کسی نے بہ اِحترام
کیا دل تھے کیا سپاہِ رشید و سعید تھی!
باہم معانقے تھے کہ مرنے کی عید تھی

واں صف کشی و ظلم و تعدّی و شور و شر　　زاری تھی ، التجا تھی ، مناجات تھی اِدھر
گھاٹوں سے ہوشیار ، ترائی سے باخبر!　　کہتا تھا ابنِ سعد یہ جا جا کے نہر پر
دو روز سے ہے تشنہ دَہانی حسینؓ کو
ہاں مرتے دم بھی دیجو نہ پانی حسینؓ کو

## معنی اور اشارے:

| | |
|---|---|
| حضرت عباسؓ | امام حسینؓ کے مختلف البطن چھوٹے بھائی |
| قطع مسافت | راستہ طے کرنا |
| سوئے فلک | آسمان کی طرف |
| شہ گردوں رکاب | وہ ذات (بادشاہ) جس کے گھوڑے کی رکاب آسمان پر ہو، نہایت عالی مرتبہ، بادشاہوں کی صفت میں مستعمل، یہاں پر حضرت امام حسین علیہ السلام مراد ہیں۔ |
| رفیق | ساتھی، مصاحب، دوست، ہمنشیں |
| حمد وثنا | تعریف وتوصیف |
| فریضۂ سحری | صبح کے فرائض، مراد نمازِ فجر |
| خلد | جنت، بہشت |
| کوثر | جنت کی ایک نہر |
| وحیدِ عصر | یکتائے زمانہ |
| سرخ رو | کامیاب وکامراں |
| خداشناس | اللہ کو پہچاننے والا، نیک، پارسا |
| زیب جسم کیا | کسی چیز کو جسم پر آراستہ کرنا |
| فاخرہ | عمدہ، نادر، قیمتی، بیش قیمت |
| شانے | کنگھیاں |
| محاسنوں | داڑھی مونچھیں |

| | |
|---|---|
| زُباد | ایک خوشبو |
| ابوتراب | حضرت علیؓ کی کنیت |
| خوش خصال | اچھی عادت والا |
| قاسم | حضرت امام حسن کے بڑے بیٹے |
| علی اکبر | حضرت امام حسینؓ کے بڑے بیٹے |
| تشنہ | پیاسا |
| عقیل | حضرت امام حسینؓ کے چچا، حضرت علی کے بھائی |
| مسلم | حضرت امام حسین کے چچازاد بھائی، حضرت عقیل کے فرزند |
| جعفر | عون ومحمد کے دادا |
| سپہر بریں | نواں آسماں، بلند آسماں |
| اَرِنی | کوہِ طور پر جا کر اَرِنی کہنے والا، مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام |
| طیور | طائر کی جمع، پرندہ |
| خَجِل | شرمندہ |
| مینو | جس کی اصل بہشت ہو، یعنی جو بہشت کا ٹکڑا دکھائی دیتا ہو |
| باس | خوشبو |
| اطلس | ایک قسم کا ریشمی کپڑا |
| زنگاری | سبز، مہرے رنگ کا |
| شجر | درخت |
| جواہر نگار | خوش خط، مرصع جڑاؤ |

| | |
|---|---|
| زہرا | پھول بالخصوص زرد رنگ کا پھول، حضرت فاطمہ کا لقب |
| حق سِرّہ | اس کا راز حق، قمری کی آواز |
| سُبحان ربّنا | کیا اچھا ہے ہمارا رب |
| ریاض نبی | نبی کا باغ، نبی کے گھرانے کے لوگ مراد ہیں |
| ماہِ عزا | ماتم کا مہینہ، محرم الحرام |
| اجل | موت |
| خط ابیض | چمکدار لکیر، صبح کی سپیدی |
| عقب | پیچھے |
| صوتِ حسن | اچھی آواز |
| کلوخ | مٹی کا ڈھیلا |
| رشید | ہدایت یافتہ |
| سعید | نیک، مبارک |
| معانقہ | بغل گیر ہونا، گلے ملنا |
| عید | خوشی |
| تعدّی | حد سے بڑھ جانا |
| ابن سعد | تاریخ میں ابن سعد کی وجہِ شہرت کربلا کے خونی واقعات میں اس کی شرکت ہے۔ یہ واقعہ کربلا کے وقت ابن زیاد کی فوج میں سپہ سالار تھا |

## معروضی سوالات:

1۔ میر انیسؔ کہاں پیدا ہوئے؟

(i) لکھنؤ (ii) فیض آباد

(iii) کانپور (iv) الہ آباد

2۔ انیسؔ نے کس کے کہنے پر اپنا تخلص حزیںؔ سے بدل کر انیس کرلیا۔

(i) آتش (ii) میر خلیق

(iii) ناسخ (iv) میر ضمیر

3۔ میر حسن سے میر انیسؔ کا کیا رشتہ تھا؟

(i) والد کا (ii) بھائی کا

(iii) دوست کا (iv) دادا کا

4۔ میر انیسؔ کا انتقال کب ہوا؟

(i) 1874 (ii) 1870

(iii) 1872 (iv) 1880

## مختصر ترین سوالات:

1۔ کس کے کہنے پر میر انیس نے غزل گوئی ترک کر کے مرثیہ گوئی کی طرف توجہ کی۔

2۔ لکھنؤ کے علاوہ اور کس کس مقام پر میر انیس نے مرثیے پڑھے۔

## مختصر سوالات:

1۔ میر انیسؔ نے کس صنف میں کمال دکھایا؟

2۔ میر انیسؔ کی مرثیہ گوئی پر تبصرہ کیجیے۔

## تفصیلی سوالات:

1۔ میر انیسؔ کے مرثیہ نگاری کی فنی خصوصیات بیان کیجئے۔

2۔ میر انیسؔ کے مرثیوں میں کن عناصر کے اعلیٰ نمونے ملتے ہیں؟

3۔ میر انیسؔ کے حالات زندگی مختصراً بیان کیجئے۔

# (2)

# مرزا دبیؔر

[پیدائش 1803ء، وفات 1875ء]

مرزا دبیر کا نام سلامت علی دبیر تھا اور تخلص دبیؔر۔ 1803ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام مرزا غلام حسین تھا۔ سات سال کی عمر میں ہی دہلی سے لکھنؤ چلے آئے اور محلّہ نخاس کے مکان میں رہنے لگے۔ دبیؔر نے لکھنؤ کی ادبی روایات اور علمی فضا سے فیض اٹھایا۔ دبیر کے اساتذہ میں مولوی غلام ضامن صاحب کے علاوہ مرزا کاظم علی، ملا مہدی مجتہد مازندانی مولوی فدا علی اخباری شامل ہیں۔ وہ صرف ونحو، منطق، ادب وحکمت کے علاوہ کتب دینیہ، تفسیر، اصول حدیث وفقہ وغیرہ پر اچھی خاصی دسترس رکھتے تھے۔ ۱۱/سال کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ ضمیؔر کی خدمت میں حاضر ہوکر ان کی شاگردی اختیار کی۔ ضمیؔر ہی نے مرزا سلامت علی کا تخلص دبیر تجویز کیا۔ ضمیر فخریہ اپنے آپ کو استاد دبیر کہتے تھے۔

پہلے تو یہ شہرہ تھا ضمیر آیا ہے
اب کہتے ہیں استادِ دبیر آیا ہے

مرزا دبیؔر نے ضمیؔر کی شاگردی کے بعد مشق سخن کی رفتار تیز کردی۔ یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ انھیں وہ استاد نصیب ہوا جس نے اردو مرثیے کی بنیادیں ایک اصول اور ضابطے پر قائم کیں۔ آخر کار دبیؔر نے مرثیہ گوئی میں بلند مقام حاصل کیا اور کاملان فن کی صف میں کھڑے ہوئے۔ انیس کی طرح دبیؔر نے بھی بے انتہا مرثیے کہے جن میں سے بہت سے ابھی تک شائع نہیں ہوئے اور نہ جانے کتنے دست برد زمانہ ہوگئے۔ جب تک لکھنؤ کی سلطنت قائم رہی تب تک دبیؔر اودھ سے باہر نہیں گئے لیکن جب اودھ پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا تو مرزا دبیؔر دوسرے شہروں میں مجلس پڑھنے جانے لگے۔ انھوں نے سیتاپور، بنارس، الہ آباد، فیض آباد اور عظیم آباد کے سامعین مجلس کو محظوظ کیا۔ مرزا دبیؔر نے 1874 میں واجد علی شاہ کے بلانے

پر آنکھوں کی علاج کی غرض سے کلکتہ کا سفر کیا تھا۔اس کے ایک سال بعد 1875ء میں دبیر کی وفات لکھنؤ میں ہوئی۔

انیس کے معاصرین میں دبیؔر سب سے ممتاز اور کامیاب شاعر تھے۔ مرثیہ گوئی میں ان دونوں کو ایسی شہرت نصیب ہوئی کہ اس سلسلے میں زیادہ تر ان دونوں کا ذکر ساتھ ساتھ ہوتا تھا اور ادب سے عام دلچسپی رکھنے والے مرثیہ گویوں میں عموماً انھیں دونوں کا نام بڑے ادب واحترام سے لیا جاتا ہے۔ دبیؔر نے غزل، قصیدہ، مثنوی، رباعی اور سلام وغیرہ بھی لکھے ہیں لیکن مرثیہ گوئی ان کا خاص میدان تھا۔ انیؔس کے بعد مرثیہ گوئی میں دوسرا سب سے بڑا نام دبیؔر کا ہے اس لیے ان دونوں کا باہم مقابلہ اور موازنہ کیا جاتا ہے۔ اکثر یہ بات کہی جاتی ہے کہ انیس کے کلام میں فصاحت ہے تو دبیؔر کے کلام میں بلاغت۔ شبلی نے اپنی کتاب ''موازنہ انیؔس و دبیر'' لکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ انیؔس دبیؔر سے بڑے مرثیہ نگار ہیں لیکن شبلی کی یہ رائے تنقید کا نشانہ بنی ہے۔

دبیؔر کی علمیت نے ان کے فن کو نقصان پہنچایا وہ جا بہ جا عربی فارسی کے مشکل الفاظ کا استعمال کرتے ہیں جو طبیعت پر بار گزرتے ہیں۔ صنعتوں کی کثرت نے بھی دبیر کے مرثیوں کی اثر انگیزی کو متاثر کیا ہے۔ دبیؔر شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک دین دار مسلمان تھے اور اپنی شاعری کو دین کی خدمت سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک مرثیہ کا مطلب آل رسول کے مصائب کے بیان سے لوگوں کو رلانا تھا۔ انھوں نے مرثیہ گوئی میں وہ انداز اختیار کیا جسے طرز ضمیر کہتے ہیں۔ چہرہ، سراپا، جنگ کو انھوں نے اپنے مذاق کے مطابق قدرت کلام اور زور طبیعت دکھانے کے لیے رکھا اور رخصت، شہادت بین میں سادگیِ بیان سے دردانگیز واقعات بیان کیے۔ بقول شبلی نعمانی: ''خیال آفرینی، دقت پسندی، جدت استعارات، اختراع تشبیہات، شدت مبالغہ ان کی شاعری کی خصوصیات ہیں۔''

زیر درس سبق مرزا دبیر کا مرثیہ ''پیدا شعاعِ مہر کی مقراض جب ہوئی'' سے منتخب ہے۔ جو طلبہ کی آسانی کے لیے ''تلوار کی کاٹ'' اور ''شہادت حضرت امام حسینؓ'' عنوان کے نام سے لکھا گیا ہے۔ بنیادی طور پر ایک روایتی مرثیہ میں چہرہ، سراپا، رخصت، آمد، رجز، جنگ، شہادت، بین، دعا وغیرہ اجزاء شامل ہوتے ہیں۔ لیکن آمد، رجز، جنگ اور شہادت خاص طور پر رزمیہ (Epic) کے موضوعات ہیں اور مرزا دبیؔر نے اپنا زورِ قلم بھی زیادہ تر ان ہی موضوعات سے متعلق واقعات پر صرف کیا ہے۔ انھوں نے مرثیہ کے ہیرو، اس کی سواری (گھوڑا) اور ہتھیار (تلوار) کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے جو اس سبق میں جا بجا آپ کو دکھائی دیں گے۔

# تلوار کی کاٹ

دامن کو ذوالفقار سنبھالے ہوئے چلی        سانچے میں ڈھل کے فتح کو ڈھالے ہوئے چلی
جوہر کی انکھڑیوں کو نکالے ہوئے چلی        نالوں کی زلف دوش پہ ڈالے ہوئے چلی
کھنچ کر چلی یہ چال نئی اشقیا کے ساتھ
ہفتاد ہاتھ بڑھ گئی ناز و ادا کے ساتھ

سیفی چلی کہ سیفِ ید اللہ رواں ہوئی        تیغِ نگہ نیامِ پلک میں نہاں ہوئی
صوفی کی طرح چِلہ نشیں ہر کماں ہوئی        ہستی فنا ہوئی تو اماں بے اماں ہوئی
زیرِ فلک تڑپنے سے اس شعلہ بار کے
بجلی کے سر پہ رعد گرا چیخ مار کے

آنکھیں زِرہ کی تیغ پہ گرویدہ ہو گئیں        مانندِ کاہ برچھیاں کاہیدہ ہو گئیں
سہمیں کمانیں دوش پہ چسپیدہ ہو گئیں        تیغیں سمٹ کے قبضوں میں پوشیدہ ہو گئیں
حربے تو ہاتھ سے گرے ہاتھ آستین سے
سرتن سے پاؤں رن سے رن اٹھا زمین سے

ترچھی رواں پیادوں کے سر پر اگر ہوئی        سیدھی وہ صف روانہ قعر سقر ہوئی
اللہ رے صفائی لہو میں نہ تر ہوئی        گردن تو اک طرف نہ خبر کو خبر ہوئی
تیغِ رواں کی طرح جدھر یہ پلٹ گئی
گردن سر آگے پھینک کے پیچھے کو ہٹ گئی

وہ تیغ یوں چمک کے سوئے راس و چپ گئی　　کوڑا لگایا رعد نے بجلی تڑپ گئی
بن کر سپاہ کے لیے لرزے کی تپ گئی　　دوزخ کے شعلوں کی کفنی تن پہ نپ گئی
دل ناریوں کا تپ کی حرارت سے جل گیا
کچھ کچھ بخار تیغ کے دل کا نکل گیا

## شہادت حضرت امام حسین

خاک شفا سروں پہ اڑاتے چلے ملک　　خون جگر سے سبحہ یاقوت تھی پلک
پہنچے تھے تا فلک ، کہ لرزنے لگے فلک　　اور یہ فغاں زمیں سے گئی آسماں تلک
فریاد ، گوشوارۂ عرشِ خدا گِرا
لو ، خاک پرستارۂ خیر النسا گِرا
گرتے ہی خاک پر شہ دیں کوغش آ گیا　　پھر بھی نہ کوئی پیاسے کو پانی پلا گیا
خنجر لگا گیا کوئی نیزہ لگا گیا　　کھولی جو آنکھ شہ نے ہر اِک تھرا تھرا گیا
دشمن بھی کہہ اُٹھے یہ پیمبر کا پھول ہے
آنکھوں میں صاف گردشِ چشمِ رسول ہے
پر آہ آہ شمر نے بڑھ کر غضب کیا　　سینہ پہ موزہ حلق پہ خنجر کو رکھ دیا
آئے لحد کو چھوڑ کے محبوب کبریا　　دوڑے نجف سے روتے ہوئے شاہ اوصیا
زہرا پکاری یہ دلِ مُضطر کا چین ہے
میرا حسین ہے ارے میرا حسین ہے

اے شمر! مصطفےٰ کی رسالت کا واسطہ اے شمر! مرتضیٰ کی امامت کا واسطہ
اے شمر! اہلِ بیت کی حرمت کا واسطہ اے شمر! کبریا کی عدالت کا واسطہ
صدقہ نبی کی روح کا حیدر کے صبر کا
تو گل نہ کر چراغ پیمبر کی قبر کا

روشن اسی نواسے سے نانا کا نام ہے یہ پردہ پوشِ اُمّتِ خیر الانام ہے
خنجر نہ پھیر پیاس سے یہ خود تمام ہے آخر خدا ہے ، حشر ہے اور انتقام ہے
معلوم ہوگا روزِ جزا جب کہ آئے گا
مظلوم کا یہ خون ہے ، خالی نہ جائے گا

چلائی در سے زینبِ بے کس بھی وا اخا اماں تو آئیں میں بھی نکل آؤں ننگے پا
بولی سکینہ روک لوں میں خنجرِ جفا باقرِ پکارا رو کے میں سو جان سے فدا
شاید یہ تیغ تھام لے معصوم جان کر
دادا ترے گلے پہ گلا رکھ دوں آن کر

پھر مڑ کے زیر تیغ یہ بولے شہ امم زینب تجھے شہادتِ شبیر کی قسم
بٹھلا مرے یتیموں کو خیمے میں ایک دم بٹتا ہے دھیان محوِ جمالِ خدا ہیں ہم
بچوں کو لے کے ڈیوڑھی سے زینب تو ہٹ گئی
یاں بوسہ گاہِ احمدِ مختار کٹ گئی

برپا ہوا حرم میں قیامت کا شور و شین نہ سینوں میں قرار رہا نے دلوں میں چین
سُن سُن کے قتل گاہ میں ، خیر النسا کے بین زینب پُکاری بی بیو مارے گئے حُسین

تھا وقتِ عصر ، بھائی سے زینب جو چھُٹ گئی
مغرب تلک حسین کی سرکار لُٹ گئی
بس اے دبیرؔ ، دھوم ہے اس شور وشین کی لٹتی ہے بارگاہ شہ مشرقین کی
زینب کے آگے جلتی تھی ، مسند حسین کی ہلتی تھی قبرِ فاتحِ بدر و حُنین کی
خالق سے کہہ کہ بخش دُرِ مدّعا مجھے
حضرت کی کربلا کا مرقع دکھا مجھے

## معنی اوراشارے:

| | |
|---|---|
| ذوالفقار | حضرت علی کی تلوار کا نام جو دودھاری تھی |
| دوش | کاندھا، مونڈھا، گذشتہ رات |
| اشقیا | بد بخت، ظالم، سنگ دل، شقی لوگ |
| ہفتاد | ستر (۷۰)، ساٹھ اور دس کا مجموعہ، کثیر تعداد |
| سیفی | تلوار کی شکل کا، تلوار کا دھنی، فوجی، لشکری، شمشیر نما |
| یداللہ | خدا کا ہاتھ، اللہ کی قدرت، (کنایۃً) حضرت علی کا لقب |
| نہاں | پوشیدہ، چھپا ہوا، مخفی، پنہاں |
| تیغ نگہ | جائزہ، تلوار کی طرح چمک رکھنے والی نگاہ |
| نیامِ فلک | آسمان کے اندر سے باہر ظاہر ہونا، یا دکھائی دینا |
| اماں | حفاظت، ٹھکانہ |
| بے اماں | جس سے بچاؤ نہ ہو سکے، غیر تحفظ ٹھکانہ |
| رعد | بادل کی گرج، گڑگڑاہٹ |
| گرویدہ | عاشق، معتقد، پیرو، فرماں بردار، کسی کی محبت کو دل میں جگہ دینا |
| مانندِ کاہ | سوکھی گھاس کی طرح، بے حقیقت |
| کاہیدہ | بھونا ہوا، جلا ہوا |
| چسپیدہ | لپٹا ہوا، چسپاں، چپکا ہوا |
| حربے | ہتھیار |

| | |
|---|---|
| راس | سیدھا، دایاں |
| چپ | بایاں |
| ناریوں | دوزخیوں |
| عدو | حریف، دشمن، ضد، خُصم، بدخواہ، رقیب |
| خاکِ شفا | شفا دینے اور تندرست کرنے والی مٹی، مدینہ طیبہ، شہدائے کربلا کے مدفن کی خاک |
| ملک | فرشتے، قاصد، پیغامبر |
| سُبحہ یاقوت | یاقوت کی موتیوں کا مالا، تسبیح کا دانہ جو یاقوت کا ہو |
| فغاں | بانگ، شور، غل، نالہ، آہ وزاری |
| شہِ دیں | دین کا بادشاہ، مراد امام حسین علیہ السلام |
| موزہ | گھوڑے کے سم اور ٹخنے کا درمیانی حصہ، انگریزی جوتا |
| لحد | صندوق، بغلی، قبر، مزار، تربت، گور |
| محبوبِ کبریا | محبوب خدا |
| شاہ اوصیا | وہ شخص جن کے حق میں وصیت کی گئی ہو |
| دلِ مضطر | بے چین دل، بے قرار دل |

## معروضی سوالات:

1۔ مرزا دبیر کہاں پیدا ہوئے؟

(i) لکھنؤ　(ii) دلی

(iii) کانپور　(iv) کلکتہ

2۔ مرزا دبیؔر کا تخلص کس شاعر نے تجویز کی؟

(i) ناسخؔ (ii) سوداؔ

(iii) میر ضمیر (iv) انیس

3۔ مرزا دبیر کے والد کا کیا نام تھا؟

(i) میر حسن (ii) مرزا غلام حسین

(iii) مرزا کاظم علی (iv) مولوی فدا علی

4۔ مرزا دبیؔر کا انتقال کب ہوا؟

(i) 1870 (ii) 1872

(iii) 1874 (iv) 1875

## مختصر ترین سوالات:

1۔ دبیؔر کب اور کہاں پیدا ہوئے؟

2۔ مرزا دبیر کا انتقال کب اور کہاں ہوا؟

## مختصر سوالات:

1۔ مرزا دبیؔر لکھنؤ سے باہر کس کس شہر میں مرثیہ پڑھنے گئے۔

2۔ 'موازنہ انیس و دبیر' کس کی تصنیف ہے؟

## تفصیلی سوالات:

1۔ مرزا دبیر کی مرثیہ نگاری پر تبصرہ کیجیے؟

2۔ مرزا دبیر کی حالات زندگی اور ان کے ادبی خدمات کا جائزہ لیجیے۔

3۔ دبیؔر کے کلام کی خوبیاں بیان کیجیے۔

## (3)

# چکبست لکھنوی

[پیدائش 1882ء، وفات 1926ء]

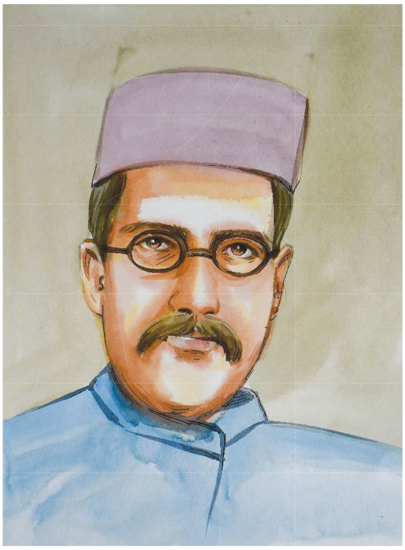

پنڈت برج نرائن چکبستؔ ایک کشمیری برہمن خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے والد پنڈت اُودت نرائن چکبست ایک شاعر تھے۔ اور یقینؔ تخلص کرتے تھے۔ بزرگوں کا اصل وطن لکھنؤ تھا۔ لیکن چکبستؔ کی ولادت فیض آباد میں 1882ء میں ہوئی۔ اوائل عمر میں ان کا خاندان فیض آباد سے ہجرت کر کے لکھنؤ آ گیا۔ اور اسی کو اپنا مسکن بنا لیا۔ ابتدائی تعلیم فیض آباد میں ہوئی۔ بعد ازاں ان کی نشو و نما اور تعلیم و تربیت لکھنؤ میں ہوئی۔ مغربی تعلیم کے ساتھ اردو زبان اور فارسی ادب کا مطالعہ کیا۔ 1905ء میں کیننگ کالج سے بی۔ اے۔ کی ڈگری حاصل کی اور 1908ء میں قانون کا امتحان پاس کر کے وکالت کرنے لگے۔ اپنی قابلیت، استعداد اور صلاحیت کی بنا پر اس پیشہ میں ایسی کامیابی اور شہرت حاصل کر لی کہ

جلد ہی شہر کے ممتاز، بہترین اور نامور وکیلوں میں شمار کیے جانے لگے۔

شاعری کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ چنانچہ انھوں نے 1894ء میں بارہ برس کی عمر میں پہلی نظم ''حب وطن'' لکھی اور چکبست تخلص اختیار کیا۔ چکبستؔ نے باقاعدہ کسی شاعر کو اپنا استاد نہیں بنایا۔ بلکہ اردو کے اساتذہ کے کلام کا وسیع و عمیق مطالعہ کیا تھا اور ان کا کلام انھیں ازبر تھا۔ وہ شعر کے رموز و نکات پر گہری نظر رکھتے تھے، اس لیے اس میدان میں خوب ناموری حاصل کی، مگر زندگی نے وفا نہ کی۔ ابھی صرف چوالیس برس کے تھے کہ 12 رفروری 1926ء کو ایک مقدمے کی پیروی کے سلسلے میں رائے بریلی گئے، سہ پہر تک عدالت میں بحث کی، پھر لکھنؤ واپسی کے لیے اسٹیشن آئے، ابھی ٹرین میں بیٹھے ہی تھے کہ فالج گرا، زبان بند ہوگئی اور چند گھنٹوں میں ہی اسٹیشن پر دم توڑ دیا۔ اور آنجہانی ہو گئے۔ اسی رات ان کے جسدِ خاکی کو ایک موٹر میں رکھ کر لکھنؤ لایا گیا۔

چکبستؔ نے اپنی شاعری کی ابتدا غزل سے کی۔ آگے چل کر قومی اور وطنی نظمیں لکھنے لگے۔ ان کی غزلوں میں آتشؔ اور مسدس میں انیسؔ کا اثر ہر جگہ نمایاں ہے۔ ان کی شاعری میں حب الوطن، وطن پرستی، انقلاب اور جوش کے عناصر بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ انھوں نے اپنی شاعری کے ذریعہ قومی یکجہتی، اتحاد اور سالمیت کی بہترین مثالیں پیش کی ہیں۔ انھوں نے قومی اور وطنی جذبات کا اظہار بڑے مؤثر انداز میں پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ ان کی نظمیں نوجوانوں کے خیالات و جذبات کی عکاسی کرتی نظر آتی ہیں۔ ان کی نظموں میں زبان کی فصاحت اور فنی چابکدستی پائی جاتی ہے۔ چکبستؔ، غالبؔ اور انیسؔ کے شیدائی تھے۔ چنانچہ ان اساتذۂ کرام کے اندازِ بیان اور اثر پذیری سے وہ کارہائے نمایاں انجام دیے جو ان کے لیے انفرادی خصوصیت بن گئے۔

چکبستؔ ایک شخصی مرثیہ نگار کی حیثیت سے بھی جانے جاتے ہیں۔ غزلوں اور نظموں کے علاوہ انھوں نے متعدد شخصی مرثیے بھی لکھے، جو اس وقت کے قومی لیڈروں اور سیاسی رہنماؤں کے نام تھے، جو آزادی کے متوالے تھے۔ ان کا مقصد ان کی اعلیٰ انسانی و اخلاقی قدروں کو بیان کر کے نوجوانوں کے دلوں میں جذبۂ حریّت پیدا کرنا تھا۔ گوکھلے، تلک اور گنگا پرساد ورما کی موت پر انھوں نے جو شخصی مرثیے لکھے، وہ زبان و بیان کے ساتھ اندازِ تخاطب اور اخلاقی خوبیوں کی

تعریف وتحسین کے اعتبار سے اردو ادب کا بہترین سرمایہ ہیں۔

نثر نگاری میں بھی چکبستؔ کے کارنامے بے مثل ہیں ''صبح امید'' کے نام سے 1918ء میں انھوں نے ایک رسالہ نکالا۔ رسالہ میں ان کے مضامین حب الوطنی کے جذبے سے سرشار ہوتے تھے۔ ان کے نثری تحریروں کا ایک مجموعہ ''مضامین چکبست'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ ان مضامین کے مطالعہ سے ان کی علمیت، قابلیت، تنقیدی شعور اور ادبی، سماجی و تاریخی حالات و واقعات پر ان کی دِقّتِ نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔

''صبح وطن'' ان کا واحد شعری مجموعہ ہے جس میں غزلوں کے ساتھ شخصی مرثیے بھی شامل ہیں۔ وطن کا راگ، جلوۂ صبح، آوازۂ قوم، فریادِ قوم، برق اصلاح اور 'خاک ہند' ان کی مشہور اور نمائندہ نظمیں ہیں۔ بالخصوص خاک ہند ایک بہت ہی دل کش نظم ہے جس میں ہندوستان کی عظمت کا بیان بڑے والہانہ انداز میں کیا گیا ہے۔ انھوں نے انیسؔ کے مسدس کے طرز پر رامائن کے بعض دلچسپ اور مؤثر واقعات بیان کئے ہیں۔

زیر نصاب شامل ''مرثیہ گوکھلے'' ہندوستان کے مشہور مجاہد آزادی کی موت پر لکھا گیا ہے، جس میں جذبات کا دردمندانہ پیرایہ میں اظہار کیا گیا ہے۔

# مرثیہ گوکھلے

لرز رہا تھا وطن جس خیال کے ڈر سے	وہ آج خون رلاتا ہے دیدۂ تر سے
صدا یہ آئی ہے پھل پھول اور پتھر سے	زمیں پہ تاج گرا قوم ہند کے سر سے
حبیب قوم کا دنیا سے یوں روانہ ہوا
زمیں الٹ گئی کیا منقلب زمانہ ہوا

وطن کو تو نے سنوارا کس آب و تاب کے ساتھ	سحر کا نور بڑھے جیسے آفتاب کے ساتھ
چنے رفاہ کے گل حسنِ انتخاب کے ساتھ	شباب قوم کا چمکا ترے شباب کے ساتھ
جو آج نشو و نما کا نیا زمانہ ہے
یہ انقلاب تری عمر کا فسانہ ہے

وطن کی جان پہ کیا کیا تباہیاں آئیں	اُمنڈ اُمنڈ کے جہالت کی بدلیاں آئیں
چراغِ امن بجھانے کو آندھیاں آئیں	دلوں میں آگ لگانے کو بجلیاں آئیں
اس انتشار میں جس نور کا سہارا تھا
اُفُق پہ قوم کے وہ ایک ہی ستارا تھا

غریب ہند نے تنہا نہیں یہ داغ سہا	وطن سے دور بھی طوفان رنج و غم کا اٹھا
حبیب کیا ہیں حریفوں نے یہ زباں سے کہا	سفیرِ قوم جگر بندِ سلطنت نہ رہا
پیام شہ نے دیا رسمِ تعزیت کے لیے
کہ تو ستون تھا ایوانِ سلطنت کے لیے

دلوں پہ نقش ہیں اب تک تری زباں کے سخن　　ہماری راہ میں گویا چراغ ہیں روشن
فقیر تھے جو ترے در کے خادمانِ وطن　　انھیں نصیب کہاں ہوگا اب ترا دامن
ترے الم میں وہ اس طرح جان کھوتے ہیں
کہ جیسے باپ سے چُھٹ کر یتیم روتے ہیں
اجل کے دام میں آنا ہے یوں تو عالم کو　　مگر یہ دل نہیں تیار تیرے ماتم کو
پہاڑ کہتے ہیں دنیا میں ایسے ہی غم کو　　مٹا کے تجھ کو اجل نے مِٹا دیا ہم کو
جنازہ ہند کا در سے ترے سے نکلتا ہے
سہاگ قوم کا تیری چتا میں جلتا ہے
رہے گا رنج زمانہ میں یادگار ترا　　وہ کون دل ہے کہ جس میں نہیں مزار ترا
جو کل رقیب تھا ہے آج سوگوار ترا　　خدا کے سامنے ہے ملک شرم سار ترا
پلی ہے قوم ترے سایۂ کرم کے تلے
ہمیں نصیب تھی جنّت ترے قدم تلے

## معنی اور اشارے:

| | |
|---|---|
| گوکھلے | گوپال کرشن گوکھلے (1915-1866) ہندوستان کے مشہور انقلابی سیاست داں |
| دیدۂ تر | روتی ہوئی آنکھیں، آنسوؤں سے بھیگی ہوئی آنکھیں |
| حبیبِ قوم | قوم کا پیارا، ہر دل عزیز، یہاں گوکھلے کی ذات مراد ہے۔ |
| دنیا سے روانہ ہونا | دنیا سے اٹھ جانا، چل بسنا، کوچ کرنا، سدھارنا |
| آب وتاب | شان وشوکت |
| منقلب | الٹنے والا، پھر جانے والا، متغیر، بدلنے والا |
| رِفاہ عام | مفاد عامہ، عام لوگوں کی بھلائی کے لیے کوئی کام، فلاح و بہبود کا کام |
| شبابِ قوم | مراد قوم کی ترقی اور عروج |
| انقلاب | تبدیلی |
| فسانہ | واقعہ، قصہ، کہانی |
| اِنتشار | پریشانی، تتر بتر ہونا، پراگندگی، بدامنی کی فضا، عوام میں اضطراب اور بے چینی، تخریبی کارروائی |
| افق | آسمان کا کنارہ جو زمین سے ملا ہوا دکھائی دیتا ہے |
| حریف | مخالف، مدِّ مقابل، دشمن |
| سفیر | قاصد، پیغامبر |
| ایوانِ محل | قصر، محل، شاہی دربار |
| الم | دکھ، تکلیف، پریشانی |
| اجل | موت |

نقش　　خاکہ،نقشہ،شبیہ

## معروضی سوالات

1۔ چکبست کہاں پیدا ہوئے۔

(i) لکھنؤ　　(ii) فیض آباد

(iii) الہ آباد　　(iv) رائے بریلی

2۔ ''حب وطن'' کس کی نظم ہے؟

(i) اکبر　　(ii) اقبالؔ

(iii) چکبست　　(iv) اسمٰعیل میرٹھی

3۔ ''صبح وطن'' کس کا شعری مجموعہ ہے؟

(i) چکبست　　(ii) اکبرالہ آبادی

(iii) جوش ملیح آبادی　　(iv) فیضؔ

4۔ چکبست کا انتقال کب ہوا؟

(i) 1920　　(ii) 1915

(iii) 1930　　(iv) 1926

5۔ ''خاک ہند'' کس کی مشہور نظم ہے؟

(i) اقبال　　(ii) چکبست

(iii) اکبر　　(iv) آزاد

## مختصر ترین سوالات:

1۔ نظم ''رامائن کا ایک سین'' کس شاعر کے طرز و اسلوب سے متاثر ہے۔

2۔ چکبست کے دو شخصی مرثیوں کے نام لکھیے۔

## مختصر سوالات:

1۔ چکبست کی شاعری پر کن شاعروں کا اثر نمایاں ہے؟

2۔ چکبست کی کسی تین نمائندہ نظموں کے نام لکھیے۔

3۔ شاعری میں چکبست کا امتیاز کیا ہے؟

## تفصیلی سوالات:

1۔ چکبست کی وطنی اور قومی شاعری کی خصوصیات بیان کیجیے۔

2۔ چکبست کے حالاتِ زندگی مختصراً بیان کیجیے۔

# (4)

# جوشؔ ملیح آبادی

[پیدائش 1898ء، وفات 1982ء]

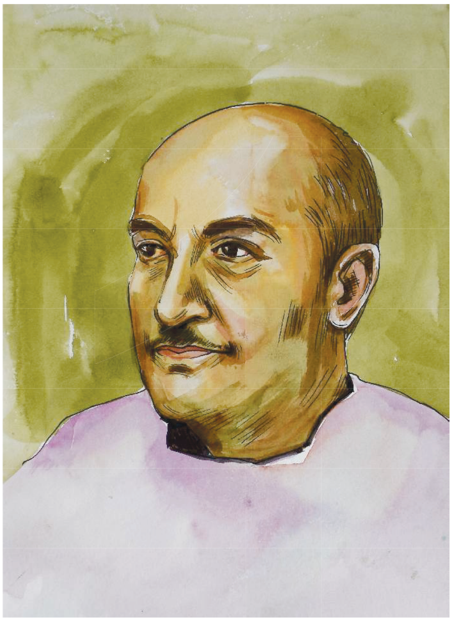

کام ہے میرا تغیر نام ہے میرا شباب
میرا نعرہ انقلاب و انقلاب و انقلاب

شاعر انقلاب جوش ملیح آبادی 1898ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام شبیر حسن خاں ہے، جوشؔ آپ کا تخلص ہے۔ ملیح آباد آپ کا آبائی وطن ہونے کی وجہ سے جوش ملیح آبادی کے نام سے مشہور ہوئے۔ بد قسمتی سے بچپن ہی سے سایۂ پدری سے محروم ہو گئے، اس وجہ سے ان کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوئی۔ پھر بھی جوش نے اپنے ذہن، ذوق اور طبع رسا سے اردو، عربی اور فارسی میں کامل دستگاہ حاصل کر لی۔ ان کی رگوں میں شاعری خون کی طرح سرایت تھی۔ کیونکہ شعر

کہنے کا سلسلہ ان کے خاندان میں چار پشتوں سے جاری تھا۔ ان کے باپ دادا اور پردادا تینوں شاعر تھے۔ نو سال کی عمر سے یہ خود بھی شعر کہنے لگے تھے۔ پھر انھوں نے لکھنؤ سیتاپور آگرہ اور علی گڑھ کے اسکولوں میں سینیر کیمبرج تک تعلیم حاصل کی۔ 1921ء میں کلکتہ میں ان کی ملاقات ٹیگور سے ہوئی۔ ٹیگور کی شخصیت اور شاعری سے متاثر ہوکر جوش میں شاعرانہ نثر لکھنے کا شوق پیدا ہوا۔

جوش ہندوستان میں رہے تو قومی اور وطنی شاعر کہلائے۔ پاکستان چلے گئے تو دونوں ملکوں کے ہر دل عزیز شاعر ہو گئے۔ 1924ء میں حیدرآباد کی عثمانیہ یونیورسٹی کے دار الترجمہ میں ناظرِ ادب کی حیثیت سے ملازم ہو گئے۔ 1930ء میں دلی آکر اپنے کئی شعری مجموعے شائع کئے اور ایک رسالہ کلیم بھی نکالا۔ آزادی کے بعد گورنمنٹ کے رسالے ''آج کل'' کے ایڈیٹر ہو گئے۔ اور انھیں حکومت ہند کی طرف سے 'پدم بھوشن' کا اعزاز عطا کیا گیا۔ کچھ عرصے بعد 1956ء میں وہ پاکستان چلے گئے۔ 22/فروری 1982 کو آپ کا انتقال ہو گیا۔

1921ء میں جوش کا پہلا مجموعۂ کلام 'روح ادب' شائع ہوا۔ بعد میں تقریباً ایک درجن مجموعے اور بھی شائع ہوئے، جن میں سے کچھ کے نام ہیں: شعلہ و شبنم، نقش و نگار، حرف و حکایت، جنون و حکمت، سنبل و سلاسل، آیات و نغمات وغیرہ۔ ان کے علاوہ ان کی ''یادوں کی بارات'' جو کہ خود نوشت سوانح حیات ہے۔ اپنے موضوعات کی وجہ سے خاصی بحث انگیز اور ہنگامہ خیز ہوئی۔

جوش نے غزلیں اور نظمیں دونوں لکھیں لیکن ان کو شہرۂ آفاق بنانے والی ان کی نظمیں ہی ہیں۔ غزل میں فارسی تراکیب تو موجود ہیں ساتھ ہی صفائی، روانی اور سلاست بھی ہے لیکن نظم میں ان کا ایک الگ ہی انداز، ایک الگ ہی مرتبہ ہے۔ ان کی شاعری میں استعارے و تشبیہات نہایت خوبصورتی سے نظم کئے گئے ہیں۔ تحریک آزادی کی فضا میں حبِّ وطن اور سیاسی مسائل پر انھوں نے بڑی پُر جوش اور ولولہ انگیز نظمیں لکھیں۔ جوش نے اپنی شاعری سے ملک میں انقلابی پرچم لہرایا اور لاکھوں دلوں کو گرمایا۔

جوش کی شاعری میں اردو شاعری کا روایتی معشوق ظالم، بے وفا، سنگ دل کے بجائے دل نواز اور مہربان ہے۔

اسی لیے یہ نہ صرف شاعرِ انقلاب بلکہ شاعرِ شباب بھی کہلاتے ہیں۔ کچھ نقادوں نے ان کو شاعرِ فطرت بھی کہا ہے۔ جوش منظر نگاری، رومانی، سیاسی اور انقلابی ہر قسم کے موضوعات پر یکساں قدرت رکھتے تھے۔

زبان اور بیان کے اعتبار سے سے تو ان کی شاعری کا درجہ اور بھی بلند ہے۔ زبان پر بھی انھیں حاکمانہ قدرت حاصل ہے۔ بے پناہ الفاظ کا ذخیرہ ان کا سرمایہ ہے اسے جس طرح چاہتے ہیں شاعری میں استعمال کر لیتے ہیں۔ عہد حاضر کے نظم گو شعرا میں جوش کو ایک بلند مقام حاصل ہے۔

## جوشؔ کی نظم ''آوازۂ حق'' سے ایک اقتباس

کیا جوہرِ شمشیر تھا کیا زورِ شجاعت نزدیک کوئی آئے ، نہ پڑتی تھی یہ ہمّت
تابندہ خط و خال میں تھی برقِ امامت حیدر کی جو سطوت تھی تو حمزہ کی جلالت
شمشیر نہ تھی ، فوج پہ بجلی کی چمک تھی
یا ابرِ سیہ تاب میں کوندے کی لپک تھی

جس سر پہ چلی پیکرِ بے جاں نظر آیا جس سمت گئی خون کا طوفاں نظر آیا
اونچی جو ہوئی برق کا داماں نظر آیا نیچی جو ہوئی قبر کا ساماں نظر آیا
تلوار تھی یا ساز ، کہ نغمہ تھا غم اس کا
تھا مرکزِ آوازِ فنا زیر و بم اس کا

مصروف ابھی جنگ میں تھے حضرتِ شبّیر آواز اک آئی کہ ''بس اب روک لے شمشیر''
لازم ہے کچھ امّت کی شفاعت کی بھی تدبیر پی جامِ شہادت کہ بڑھے عزّت و توقیر
طوفاں سے بچا حق کو ، لہو اپنا بہادے
امت کو ، بہادر ہے ، تو اب مر کے جلادے

جھنکار سے میدانِ وغا گونج رہا تھا ناگاہ پئے صبر و رضا حکم جو پہنچا
یوں میان میں چلتی ہوئی تلوار کو رکھّا غل جن و ملائک میں اٹھا صلِّ علیٰ کا
ایمان کی ڈوبی ہوئی نبضیں اُبھر آئیں
خدمت کے لیے چرخ سے حوریں اُتر آئیں

ذرّوں پہ جو سجدے میں جھکے حضرتِ شبّیر     چلنے لگے ہر سمت سے تیغ و تبر و تیر
بے کس پہ چمکنے لگی شمشیر پہ شمشیر     سر پیٹ کے کہنے لگی یہ زینبِ دل گیر
چھوٹوں گی نہ اس غم میں کبھی نوحہ گری سے
آندھی کا تصادم ہے چراغِ سحری سے

ہے ہے کوئی عباس دلاور کو پکارو     بابا پہ برا وقت ہے اکبر کو پکارو
اکبر نہیں ملتے ہیں تو اصغر کو پکارو     بیٹے پہ چھری چلتی ہے حیدر کو پکارو
زہرا کی دہائی ہے پیمبر کی دُہائی
پھٹتا ہے جگر خالقِ اکبر کی دُہائی

حضرت نے جو زینب کی سنی گریہ و زاری     چپ ہو گئے وہ قلب پہ حالت ہوئی طاری
تلواریں لگانے لگے بڑھ بڑھ کے جو ناری     مولا نے کہا شکر ہے اے ایزدِ باری!
کٹتا ہے گلا بھائی کا ہمشیر کے آگے
تدبیر سرِ خاک ہے تقدیر کے آگے

تڑپے جو کئی بار زمیں پر شہِ والا     سمجھے یہ ملائک کہ قیامت ہوئی برپا
خیمے کو بڑی یاس سے مظلوم نے دیکھا     اتنے میں کسی سمت سے اک تیر وہ آیا
پامالِ صفِ لشکرِ غم ہو گئے مَولا
دل میں وہ اٹھا درد کہ خم ہو گئے مولا

رک رک کے جو تلوار چلی خشک گلے پر     زہرا کی صدا آئی کہ "آہستہ ستم گر"
حیدر نے بڑے پیار سے زانو پہ لیا سر     گردوں کی طرف دیکھ کے بولے یہ پیمبر
شکوہ نہیں نکلا مرے پیاسے کے لبوں سے
نکلی ہے مری روح نواسے کے لبوں سے

ناشاد تری بے کسی و یاس کے قرباں　　نازک یہ ترا جسم ، یہ تپتا ہوا میداں
ٹکڑے یہ بدن کے، یہ رِدا خون میں غلطاں　　ذرّوں پہ ہیں قرآن کے اوراقِ پریشاں
بے کس ترے اکبر کی جوانی کے تصدق
مظلوم! تری تشنہ دہانی کے تصدق

تو اور سرِ خاک مرے گیسوؤں والے　　یہ دل، یہ بلائیں، یہ زباں، اور یہ چھالے
اس پیاس میں گردن پہ چھری جسم پہ بھالے　　افسوس ہے اے فاطمہؓ کے ناز کے پالے!!
عبرت کا وہ منظر ہے کہ خود ظلم خجل ہے
یہ لاش نہیں خاک پہ اسلام کا دل ہے

یہ شام کا ہنگام ، یہ اندوہ ، یہ میداں　　یہ ہو کا سماں ، اور یہ سنسان بیاباں
رانڈوں میں تلاطم ہے، اداسی کے ہیں ساماں　　سوتے ہیں پڑے شام سے خیمے کے نگہباں
غم اتنے ہیں، اور ایک بھی غم خوار نہیں ہے
جز ذاتِ خدا ، کوئی مددگار نہیں ہے

اے جوشؔ یہ اب تک ہے اُسی خون کی تاثیر　　ہوتی ہے بالاعلان بڑی شان سے تکبیر
اب بھی جنھیں ملتی ہے رہ عشق میں تعزیر　　صد شکر کہ خوش ہو کے پہن لیتے ہیں زنجیر
ڈرتے ہی نہیں دیکھ کے جلّاد کی صورت
زنداں میں چلے جاتے ہیں سجّاد کی صورت

بیدرد کی حسرت کو نکلتے نہیں دیکھا　　کاغذ کی کبھی ناؤ کو چلتے نہیں دیکھا
ظالم کو کبھی پھولتے پھلتے نہیں دیکھا　　ٹھوکر ہے یہ وہ، جس سے سنبھلتے نہیں دیکھا
وہ تخت ہے کس قبر میں وہ تاج کہاں ہے؟
اے خاک بتا! زورِ یزید آج کہاں ہے؟

## معنی اور اشارے:

| | |
|---|---|
| جوہر | خاصیت، خوبی |
| شمشیر | تلوار |
| شجاعت | بہادری |
| تابندہ | روشن یا چمکتا ہوا |
| برق | بجلی |
| سطوت | رعب یا دبدبہ |
| جلالت | جوش، بڑائی، شان وشوکت |
| تاب | روشنی، برداشت |
| ساز | سامان، ہتھیار، باجا |
| مرکز | کسی چیز کا درمیانی حصہ (Centre) |
| تصادُم | باہم ٹکرانا |
| گریہ وزاری | رونا، بین کرنا |
| قلب | دل |
| ناری | جہنمی |
| ایزدِباری | اللہ تعالیٰ |
| ہمشیر | بہن |
| ملائک | مَلَک کی جمع یعنی فرشتے |

| | |
|---|---|
| یاس | نومید، حسرت |
| مظلوم | جس پر ظلم ہوا ہو |
| صف | قطار، لائن |
| خَم | جھکا ہوا، ٹیڑھا |
| گردوں | آسمان |
| شکوہ | شکایت |
| ناشاد | نامراد، ناخوش |
| پریشاں | بکھرا ہوا |
| تشنہ دہانی | پیاس |
| تصدق | صدقے ہونا |
| ہنگام | وقت |
| اندوہ | غم |
| بیاباں | جنگل |
| رانڈ | بیوہ |
| غم خوار | غم بانٹنے والا، ہمدرد |
| تعزیر | سرزنش یا سزا |
| تکبیر | اذان (اللہ اکبر کی آواز) |

## معروضی سوالات:

1۔ جوشؔ ملیح آبادی کا اصل نام کیا تھا؟

(i) محمد شوکت علی خاں (ii) شبیر حسن خاں

(iii) میر ببر علی (iv) فضل الحسن

2۔ شمشیر نہ تھی فوج پہ بجلی کی چمک تھی
یا ابر سیہ تاب میں کوندے کی لپک تھی

اس شعر میں کون سی صنعت ہے۔

(i) تشبیہ (ii) استعارہ

(iii) تضاد (iv) لف ونشر

3۔ ناری کا معنی ہے۔

(i) گندا (ii) غلیظ

(iii) جہنمی (iv) عورت

## مختصر ترین سوالات:

1۔ اس شعر کو پورا کیجیے۔

ایمان کی ڈوبی ہوئی نبضیں ابھر آئیں

خدمت کے لیے...............................

2۔ جوشؔ کے اس مرثیہ کا ہیرو کون ہے؟

3۔ یہ کلمات (اس شعر میں) کون کہہ رہا ہے؟

ہے ہے کوئی عباس دلاور کو پکارو     بابا یہ بُرا وقت ہے اکبر کو پکارو

## مختصر سوالات:

1۔ جوشؔ ملیح آبادی کی چند تصانیف کے نام لکھیے ۔

2۔ اس بند کی تشریح کیجیے۔

مصروف ابھی........................مر کے جلا دے

## تفصیلی سوالات:

1۔ جوشؔ کی مرثیہ گوئی پر ایک مضمون لکھیے ۔

2۔ جوش کے حالاتِ زندگی پر تبصرہ کیجیے۔

# 6،5- قطعات ورباعیات

قطعہ کے معنی ٹکڑے کے ہیں اور ابتدا میں اسے قصیدہ کا ایک جزو سمجھا جاتا تھا۔قدما کے یہاں قطعات زیادہ نہیں ملتے۔غزل میں قطعہ بند اشعار ضرور وافر تعداد میں ملتے ہیں۔دورِ جدید میں قطعہ کو ایک مستقل صنف کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔

قطعہ میں غزل یا قصیدہ کے برعکس مطلع نہیں ہوتا،صرف قافیہ اور ردیف کی پابندی ہوتی ہے۔اشعار میں معنوی تسلسل ہوتا ہے اور ان کی تعداد کم از کم دو اور زیادہ سے زیادہ شاعر کی خوشی پر منحصر ہے مگر عام طور پر بہت طویل قطعے نہیں لکھے جاتے۔اردو میں حالیؔ،اکبرؔ،اقبالؔ،اور سلیمؔ کے قطعات کافی مشہور ہیں۔

موجودہ دور میں نظم نگاری کی ترقی کے ساتھ ساتھ قطعات کا کافی رواج ہوگیا ہے۔اب تو ہر شاعر قطعہ لکھنا بھی ضروری خیال کرتا ہے۔جوشؔ،فراقؔ،فیضؔ،اخترؔ انصاری،نریش کمار شاد،اعزاز افضل،عبدالحمید عدمؔ،سمیع اللہ اشدؔ وغیرہ نے بہت عمدہ قطعات لکھے ہیں اور قطعہ نگاری کی روایت کو آگے بڑھایا ہے۔

**رباعی:** یہ اردو کی قدیم اور مقبول صنف سخن ہے۔رباعی گوئی کا رواج پہلے بھی تھا اور اب بھی مشاق و قادرالکلام شعرا اس صنف میں طبع آزمائی کررہے ہیں۔حالیؔ،انیسؔ،جوشؔ،فراقؔ،امجدؔ حیدرآبادی،جگت موہن لال رواںؔ،عطاؔ کاکوی،ناوک حمزہ پوری،علقمہ شبلی وغیرہ نے خاطر خواہ تعداد میں رباعیاں کہی ہیں۔رباعی میں موضوع کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ہر قسم کے مضامین اس میں نظم کیے جاتے ہیں۔

ربع عربی میں چار کو کہتے ہیں۔اس رعایت سے چار مصرعوں یا دو شعر والی نظم رباعی کہی جانے لگی۔رباعی کے اوزان مقرر ہیں۔ان کے چاروں مصرعے ہم قافیہ ہوسکتے ہیں لیکن بالعموم تیسرے مصرع کے علاوہ بقیہ مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔چوتھا مصرع جسے حاصل رباعی سمجھنا چاہئے بہت زوردار ہوتا ہے۔شاعر کا تخلص بالعموم تیسرے مصرع میں ہوتا ہے۔

# (1)

# مولانا الطاف حسین حآلی

[پیدائش 1837ء، وفات 1914ء]

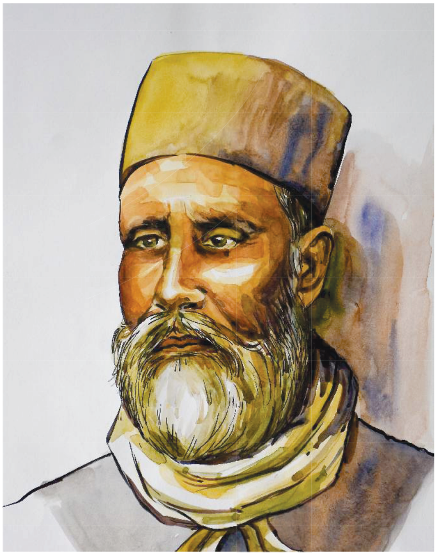

حآلی کا اصل نام الطاف حسین اور حآلی تخلص تھا۔ ان کی پیدائش 1837ء میں پانی پت میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم وطن ہی میں عربی و فارسی زبانوں کی تحصیل سے ہوئی۔ سترہ سال کی عمر میں ان کی مرضی کے خلاف شادی کر دی گئی مگر انھوں نے کتب بینی کے مشغلہ کو جاری رکھا اور علمی استعداد میں اضافہ کرتے رہے۔ فارسی کی مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے دہلی چلے گئے جہاں مرزا غالبؔ کی صحبت حاصل ہوئی اور ان سے فیض اٹھاتے رہے۔ 1857ء کے بعد وہ نواب مصطفیٰ خان شیفتہؔ کی صحبت میں آئے۔ نواب شیفتہؔ بہت اچھے شاعر تھے۔ وہ مبالغہ آرائی سے نفرت کرتے تھے۔ حقیقی حالات اور سیدھے سادے خیالات کو نظم کرنا ان کے نزدیک شاعر کا اوّلین فرض تھا۔ یہی فریضہ حآلی کی شاعری کا پس منظر بن گیا۔

شیفتہ کے انتقال کے بعد حالؔی لاہور چلے گئے اور گورنمنٹ بک ڈپو میں ملازم ہو گئے۔ یہاں انھیں انجمن پنجاب کے زیرِ اہتمام کئی جدید مشاعروں میں شرکت کا موقع ملا تو وہ غزل گوئی کے علاوہ نظم گوئی کی طرف بھی مائل ہو گئے اور ان مشاعروں کے لیے کئی عمدہ نظمیں لکھیں اور چار نظمیں برکھارُت، نشاطِ امّید، مناظرۂ رحم وانصاف اور حبِّ وطن پڑھیں، یہ نظمیں بہت مقبول ہوئیں۔ چار سال پنجاب میں گزارنے کے بعد وہ دہلی لوٹ آئے۔ یہیں ان کی ملاقات سر سید احمد خاں سے ہوئی اور ان کی فرمائش پر حالؔی نے ایک نظم ''مدوجزرِ اسلام'' لکھی جس میں اسلام کے عروج وزوال کی داستان بیان ہوئی ہے۔ یہ نظم مسدس حالی کے نام سے مشہور ہے۔ 1914ء میں حالی کا انتقال ہو گیا۔

حالؔی کی کامیاب نظموں میں ''مناجات بیوہ'' اور 'چپ کی داد' کا بھی شمار ہوتا ہے۔ مناجات بیوہ میں حالؔی نے ایک بیوہ کو خدا کی بارگاہ میں اپنی حالت زار پر فریاد کرتے ہوئے دکھایا ہے۔ یہ نظم تاثر، سوز وگداز اور اثر آفرینی کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے۔ حالؔی نے بڑے مؤثر انداز میں بیوہ کے جذبات واحساسات کی ترجمانی کی ہے اور انسانیت سوز، سماجی اقدار کو ہدف ملامت بنایا ہے۔

غرض یہ کہ حالؔی نے اردو شاعری کو ایک نیا موڑ دیا اور اسے زندگی کی حقیقتوں کا ترجمان بنایا۔ مقدّمۂ شعر وشاعری میں اصلاح شعر وسخن سے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے، ان کی شاعری اس کی عملی تفسیر ہے۔ اردو شاعری جو چند موضوعات کے اِرد گرد گھومتی رہتی تھی حالؔی نے اس کے سامنے ایک وسیع کینوس پیش کیا۔ اردو شاعری میں نئے نئے امکانات روشن کیے، اس کو نئی سمت عطا کر کے صحت مند رجحانات سے روشناس کرایا۔ اس طرح اردو شاعری میں آج جو وسعت، ہمہ گیری اور عصری تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت نظر آتی ہے اس کا سہرا حالؔی کے سر ہے۔

زیرِ درس سبق 'اسراف اور بخل' ایک نصیحت آمیز نظم ہے جس میں حالؔی نے قوم کی زبوں حالی کا ذکر کرتے ہوئے اسے کفایت شعاری سے کام لینے کی نصیحت کی ہے۔ آج کے دور میں ہماری قوم مفلسی کی زندگی بسر کر رہی ہے اس لیے اسے فضول خرچی سے گریز کرنا چاہئے۔ جو لوگ اس بات کا خیال نہیں رکھیں گے اور فضول خرچی میں الجھے رہیں گے وہ تباہ وبرباد ہو جائیں گے۔

# اسراف اور بخل

حالؔی سے کہا ہم نے کہ ہے اس کا سبب کیا
جب کرتے ہو تم کرتے ہو مُسرِف کی مذمت
لیکن بہ خلاف آپ کے سب اگلے سخن ور
جب کرتے تھے کرتے تھے بخیلوں کو ملامت
اسراف بھی مذموم ہے پر بخل سے کم تر
ہے جس سے کہ انسان کو بالطبع عداوت
حالؔی نے کہا رو کے نہ پوچھو سبب اس کا
یاروں کے لیے ہے یہ بیاں موجبِ رقت
کرتے تھے بخیلوں کو ملامت سلف اس وقت
جب قوم میں افراط سے تھی دولت و ثروت
وہ جانتے تھے قوم ہو جس وقت تونگر
پھر اس میں نہیں بخل سے بدتر کوئی خصلت
اور اب کہ نہ دولت ہے نہ ثروت ہے نہ اقبال
گھر گھر پہ ہے چھایا ہوا اِفلاس و فلاکت
ترغیب سخاوت کی ہے اب قوم کو ایسی
پرواز کی ہے چیونٹیوں کو جیسے ہدایت

## معنی اوراشارے:

| | |
|---|---|
| اِسراف | فضول خرچی |
| بخل | کنجوسی |
| مذمّت | برائی |
| سخنور | شاعر |
| مذموم | بُرا |
| موجب | سبب، وجہ |
| رقت | رونا، آنسو بہانا |
| سلف | بزرگ |
| تونگر | طاقتور، مالدار |
| افراط | زیادتی، کثرت |
| ثروت | دولت |
| افلاس | مفلسی، غریبی |
| اقبال | دبدبہ، رعب |
| فلاکت | پھکڑ پن، تہی دست |
| ترغیب | رغبت، شوق |
| مُسرِف | فضول خرچ کرنے والا |
| عداوت | دشمنی |

| | |
|---|---|
| بالطبع | طبعی طور سے |
| خصلت | عادت |
| سخاوت | بخشش، نوازش |
| ہدایت | نصیحت |
| بدتر | سب سے بُرا |
| پرواز | اڑنا |

## مختصر ترین سوالات:

1۔ حالؔی کہاں کے رہنے والے تھے؟

2۔ شاعری میں حالؔی نے کس کی شاگردگی اختیار کی؟

3۔ حالؔی کی نظم 'مدو جزر اسلام' میں کس کی داستان بیان کی گئی ہے؟

## مختصر سوالات:

1۔ حالؔی کا اسلوب بیان کیسا ہے؟

2۔ حالؔی سے پہلے والے شعرا کن پر ملامت کرتے تھے؟

2۔ جب قوم تونگر ہو تو ان میں سب سے بدتر خصلت کیا پائی جاتی ہے؟

4۔ قوم کی موجودہ صورت حال پر روشنی ڈالیے؟

## تفصیلی سوالات:

1۔ 'اسراف اور بخل' کا خلاصہ اپنی زبان میں لکھیے۔

2۔ الطاف حسین حالؔی کے مختصر حالاتِ زندگی بیان کیجیے۔

## (2)

# شبلی نعمانی

[پیدائش 1857ء، وفات 1914ء]

شبلی نعمانی کی پیدائش ضلع اعظم گڑھ کے قصبہ بندول میں 1857ء میں ہوئی۔ان کے والد کا نام شیخ حبیب اللہ تھا جو پیشے سے ایک وکیل تھے۔انھوں نے ابتدائی تعلیم عربی و فارسی میں حاصل کی۔اپنے وقت کے بڑے بڑے عالموں مثلاً مولوی شکر اللہ، مولوی محمد فاروق چریا کوٹی سے علم حاصل کیا۔والد وکیل تھے اس لیے ان کے حکم کی تعمیل میں وکالت کا امتحان پاس کیا لیکن اس پیشے سے الگ ہو گئے۔1882ء میں اپنے بھائی سے ملنے علی گڑھ گئے جہاں ان کی ملاقات سرسید احمد خاں سے ہوئی۔ان کی مردم شناس نظر نے شبلی کی صلاحیت کو پہچان لیا اور انھیں کالج میں فارسی کے پروفیسر کی حیثیت سے تقرر کر لیا۔یہاں کی علمی فضا شبلی کی تصنیفی صلاحیتوں کو بہت راس آئی۔سرسید کی وفات کے بعد انھوں نے علی گڑھ چھوڑ

دیا۔سید احمد بلگرامی کے اصرار پر حیدرآباد چلے گئے جہاں محکمۂ تعلیم کے ناظم مقرر ہوئے اور کئی کتابیں لکھیں۔

شبلی کی علمی خدمات کے اعتراف میں حکومت کی طرف سے انھیں 'شمس العلماء' کا خطاب ملا۔ ترکی کے سلطان نے انھیں تمغہ مجیدی عنایت فرمایا۔ 1914ء میں ان کی وفات ہوگئی۔

شبلی نے اردو اور فارسی دونوں میں شاعری کی ہے لیکن دونوں زبانوں کی شاعری کا مزاج مختلف ہے۔ فارسی کی شاعری میں گرما گرم عشقیہ مضامین ہیں۔ یہ شاعری عوام کی نظر سے کم ہی گزرتی ہے۔ اردو میں انھوں نے عموماً قومی اور سیاسی قسم کی شاعری کی۔ ان کی فارسی شاعری کے بارے میں حالؔی نے کہا: ''کوئی کیوں کر یہ مان سکتا ہے کہ یہ اس شخص کا کلام ہے، جس نے سیرت نعمان، الفاروق اور سوانح مولانا روم جیسی مقدّس کتابیں لکھی ہیں۔ غزلیں کاہے کو ہیں، شراب دوآتشہ ہے جس کے نشہ میں خمارِ چشم ساقی بھی ملا ہوا ہے۔ غزلیات حافؔظ کا جو حصہ رندی اور بے باکی کے مضامین پر مشتمل ہے ممکن ہے کہ اس کے الفاظ میں زیادہ دلربائی ہو مگر خیالات کے لحاظ سے یہ غزلیں بہت زیادہ گرم ہیں۔''

شبلی بھی حالؔی کی طرح ادب کی مقصدیت اور افادیت کے قائل ہیں، وہ تسلیم کرتے ہیں کہ شاعری قوموں کو زیر و زبر کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے مگر ان کے نزدیک شعر کا اصل مقصد ہے مسرّت عطا کرنا یعنی شعر پڑھنے یا شعر سننے والا شعر سے لطف اندوز ہو۔ وہ کسی خیال کو زیادہ دلکش اور مؤثر بنا کر پیش کرنے کے لیے تشبیہات و استعارات کے استعمال پر زور دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ تشبیہ اور استعارے سے کلام میں جو وسعت اور زور پیدا ہوتا ہے وہ کسی اور طریقے سے نہیں پیدا ہوسکتا۔ جس طرح ایک مصوّر کسی چیز کی تصویر کھینچتا ہے تو وہ اس کی جزئیات کو نظرانداز نہیں کرپاتا مگر شاعر صرف انھیں چیزوں کو نمایاں کرتا ہے جو ہمارے دلوں پر دیرپا اثر چھوڑ جانے والی ہوتی ہیں۔ اسی طرح شبلی نے فصاحت و بلاغت سے متعلق جن خیالات کا اظہار اپنی شاعری میں کیا ہے وہ بھی ان کی شاعرانہ بصیرت کا پتہ دیتے ہیں۔

زیرِ درس سبق میں شبلی نے بی بی فاطمہ کا واقعہ پیش کرکے مسلم خواتین کو درس دیا ہے کہ ہم جتنے ہی اعلیٰ مرتبہ پر ہوں اتنا ہی زیادہ ہم کو انکساری اختیار کرنا چاہیے۔ احساس برتری کے تحت ہمیں کوئی ایسا عمل نہیں کرنا چاہیے جس میں اللہ اور اس کے رسول کی رضا نہ ہو۔

## غربانوازی

افلاس سے تھا سیدۂ پاک کا یہ حال　　گھر میں کوئی کنیز ، نہ کوئی غلام تھا
گھس گھس گئی تھیں ہاتھ کی دونوں ہتھیلیاں　　چکّی کے پیسنے کا جو دن رات کام تھا
سینہ پہ مشک بھر کے جو لاتی تھی بار بار　　گو نور سے بھرا تھا مگر نیل فام تھا
اَٹ جاتا تھا لباسِ مبارک غبار سے　　جھاڑو کا مشغلہ بھی جو ہر صبح و شام تھا
آخر گئیں جنابِ رسولِ خدا کے پاس　　یہ بھی کچھ اتفاق کہ واں اذنِ عام تھا
محرم نہ تھے جو لوگ تو کچھ کرسکیں نہ عرض　　واپس گئیں کہ پاس حیا کا مقام تھا
پھر جب گئیں دوبارہ تو پوچھا حضورؐ نے　　کل کس لیے تم آئی تھیں کیا خاص کام تھا
غیرت یہ تھی کہ اب بھی نہ کچھ منہ سے کہہ سکیں　　حیدرؓ نے ان کے منہ سے کہا جو پیام تھا
ارشاد یہ ہوا کہ غریبانِ بے وطن　　جن کا کہ صفّۂ نبوی میں قیام تھا
میں ان کے بندوبست سے فارغ نہیں ہنوز　　ہر چند اس میں خاص مجھے اہتمام تھا
جو جو مصیبتیں کہ اب ان پر گزرتی ہیں　　میں اس کا ذمہ دار ہوں میرا یہ کام تھا
کچھ تم سے بھی زیادہ مقدّم ہے ان کا حق　　جن کو کہ بھوک پیاس سے سونا حرام تھا
خاموش ہو کہ سیدۂ پاک رہ گئیں　　جرأت نہ کرسکیں کہ ادب کا مقام تھا

یوں کاٹی اہلِ بیتِ مطہّر نے زندگی
یہ ماجرائے دخترِ خیرُ الانام تھا

## معنی اور اشارے:

| | |
|---|---|
| افلاس | مفلسی، غریبی |
| کنیز | خادمہ، لونڈی |
| نیل فام | نیلے رنگ کا |
| اذنِ عام | عام اجازت |
| محرم | جن سے مستورات کا پردہ نہ ہو |
| صفّہ | دالان |
| ہنوز | ابھی تک |
| مقدم | اول، اوپر |
| اہل بیت مطہر | نبیؐ کا مقدس خاندان |
| دختر | بیٹی |
| خیرالانام | مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم |

## مختصر ترین سوالات:

1۔ شبلی کی جائے پیدائش کہاں ہے؟

2۔ شبلی نے درس وتدریس کا کام کہاں انجام دیا؟

3۔ حکومت کی طرف سے انھیں کون سا خطاب ملا تھا؟

## مختصر سوالات:

1۔ شبلی نے کس طرح کی شاعری کی ہے؟

2۔ حضرت بی بی فاطمہ کون تھیں؟

3۔ بی بی فاطمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے بغیر کیوں واپس آ گئیں؟

4۔ رسول کریم کے پوچھنے پر بی بی فاطمہ خاموش کیوں ہو گئیں؟

## تفصیلی سوالات:

1۔ اہل بیت نے کس طرح زندگی گزاری ہے؟

2۔ شبلی نعمانی کے مختصر حالاتِ زندگی بیان کیجیے۔

## (3)

# ڈاکٹر محمد اقبال

[پیدائش 1877ء، وفات 1938ء]

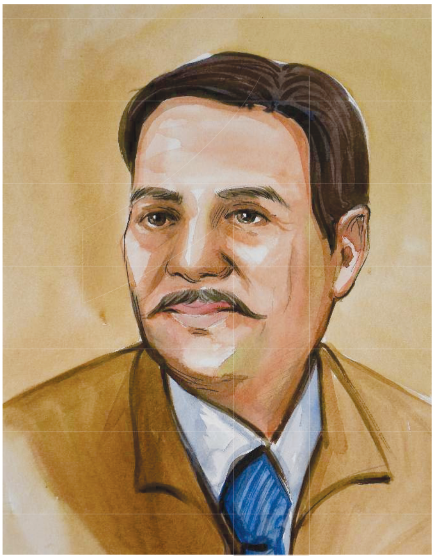

اقبالؔ کی ولادت سیالکوٹ میں 9/نومبر 1877ء کو ہوئی تھی۔ ان کے والد کا نام شیخ نور محمد تھا۔ گھر کا ماحول مذہبی تھا۔ چار سال کی عمر میں دینی تعلیم کے لیے مدرسہ میں داخل ہوئے۔ مولوی سید میر حسنؔ کی نگرانی میں درس قرآن کے بعد اردو ادب، فارسی اور عربی ادب کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ نو برس کی عمر میں مشن اسکول میں داخل کر دیے گئے۔ مولوی صاحب بھی اس اسکول سے وابستہ ہو گئے تھے۔ ان کی رہنمائی اور صحبت نے اقبالؔ کے اندر شعری ذوق پیدا کر دیا۔ مشن اسکول سے انٹرمیڈیٹ کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج میں داخلہ لیا۔ اس کالج سے بی۔اے کرنے کے بعد انھوں نے فلسفہ میں ایم۔اے کیا۔ دورانِ تعلیم انھیں فلسفے کے پروفیسر آرنلڈ سے فیضیاب ہونے کا موقع ملا۔ اقبالؔ نے کم عمری میں ہی

روایتی انداز کی شاعری شروع کردی تھی اور باقاعدہ داغؔ دہلوی کے شاگرد ہو گئے تھے، لیکن جلد ہی نئے انداز کی شاعری کی طرف مائل ہو گئے۔ انجمن حمایت الاسلام کے بڑے بڑے جلسوں میں نظمیں پڑھنے لگے تو ان کی شہرت چاروں طرف پھیل گئی۔ یہ قدر دانی عوام تک ہی محدود نہ رہی بلکہ گورنمنٹ نے بھی علم دوست ہونے کا ثبوت دیا اور اقبالؔ کو معزز خطاب ''سر'' سے نوازا۔ 21/اپریل 1938ء میں ایک طویل علالت کے بعد اردو کے ایک مایۂ ناز شاعر کا انتقال ہو گیا۔

علامہ اقبالؔ کی شاعری فنی نقطۂ نظر سے بہت ہی اہمیت کی حامل ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری میں اثر انگیزی و اثر آفرینی پیدا کرنے کے لیے تمام فنی مہارتوں کو کامیابی کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ 'خضر راہ'، 'ساقی نامہ' اور 'مکالمہ جبریل و ابلیس' کا ڈرامائی اور مکالماتی انداز اردو شاعری میں شاید ہی کہیں نظر آئے۔ ان کی شاعری میں عقل و عشق کا تذکرہ بھی کثرت سے ملتا ہے۔ اقبالؔ نے عقل کے مقابلے میں عشق کو ترجیح دی ہے کیوں کہ اس کے بغیر روح کو سکون نہیں مل سکتا۔

اقبالؔ کے نزدیک قوم کے زوال اور اس کی پستی کا سبب خود اس کی بے عملی ہے کیوں کہ قوم کے ذہن میں وہ غلط تصوّر سرایت کر گیا تھا کہ جو کچھ مقدر میں پہلے سے لکھا ہے وہی ہو کر رہے گا۔ اس کے جواب میں اقبال نے کہا کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ حاصل کائنات اور نائب خدا ہے اس کو چاہیے کہ وہ اپنی حقیقت اور پوشیدہ صلاحیتوں کا محاسبہ کرے۔ جب انسان اپنی خودی سے واقف ہو جائے تو اس کا مرتبہ بہت بلند ہو جاتا ہے۔ اسی کو اقبالؔ احساس خودی یا عرفان ذات کا نام دیتے ہیں۔

اقبالؔ کے کلام میں ایک خاص قسم کا ترنم پایا جاتا ہے۔ ان کے بارے میں بعض ناقدوں نے کہا ہے کہ 'ان کی شاعری میں ربّانی یا قرآنی لہجہ ملتا ہے۔ اقبالؔ کے اردو کلام کے مشہور مجموعے بانگ درا، بال جبریل، ضرب کلیم اور ارمُغان حجاز ہیں۔ خضرِ راہ، مسجدِ قرطبہ، جبریل اور ابلیس، سید کی لوح تربت، شمع و شاعر، طلوعِ اسلام، شکوہ، جواب شکوہ اور لینن خدا کے حضور میں ان کی مشہور نظمیں ہیں۔

## مستی کردار

صوفی کی طریقت میں فقط مستیِ احوال ملّا کی شریعت میں فقط مستیِ گفتار
شاعر کی نوا مردہ و افسردہ و بے ذوق افکار میں سرمست ، نہ خوابیدہ نہ بیدار
وہ مردِ مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو ہو جس کے رگ و پے میں فقط مستیِ کردار

## نصیحت

بچّۂ شاہیں سے کہتا تھا عقابِ سالِ خورد اے ترے شہ پر پہ آساں رفعتِ چرخِ بریں
ہے شباب اپنے لَہو کی آگ میں جلنے کا نام سخت کوشی سے ہے تلخِ زندگانی انگبیں
جو کبوتر پر جھپٹنے میں مزا ہے اے پسر!
وہ مزا شاید کبوتر کے لہُو میں بھی نہیں

## معنی اور اشارے:

| | |
|---|---|
| صوفی | متقی، پرہیزگار |
| طریقت | زندگی کے اصول |
| شریعت | قانون خداوندی |
| گفتار | بات، بحث و تکرار |
| نوا | آواز |
| افسردہ | رنجیدہ، غم زدہ |
| بے ذوق | بے مزہ، پھیکا |
| افکار | فکر کی جمع، سوچ |
| خوابیدہ | سویا ہوا |
| بیدار | جاگا ہوا |
| مجاہد | کوشش کرنے والا |
| رگ و پے | نس نس |
| کردار | خصلت، طرز، طریقہ |
| شاہین | ایک شکاری پرندہ |
| عقاب | ایک شکاری پرندہ |
| سال خورد | بوڑھا |
| شہپر | بڑا پر |

| | |
|---|---|
| رفعت | بلندی |
| چرخِ بریں | اونچا آسمان |
| شباب | جوانی |
| سخت کوشی | محنت |
| انگبیں | شہد |
| پسر | بیٹا،فرزند |
| لہو | خون |

## مختصر ترین سوالات:

1۔ اقبالؔ کب اور کہاں پیدا ہوئے؟

2۔ شاعری میں اقبالؔ کس کے شاگرد تھے؟

3۔ حکومت کی طرف سے اقبال کو کس خطاب سے نوازا گیا تھا؟

## مختصر سوالات:

1۔ اقبالؔ کے نزدیک قوم کی پستی کا سبب کیا ہے؟

2۔ اقبالؔ کے اردو کے چند مجموعہ کلام کے نام بتایئے؟

## تفصیلی سوالات:

1۔ اقبال کی شاعری کی خوبیاں بیان کیجیے۔

2۔ اقبال کے قطعہ 'نصیحت' سے آپ کو کیا نصیحت ملی؟

# (4)

# اختر انصاری

[پیدائش 1909ء، وفات 1988ء]

اختر انصاری کا اصل نام محمد ایوب انصاری تھا۔ ان کی پیدائش یکم اکتوبر 1909ء کو بدایوں (اتر پردیش) میں ہوئی۔ ان کے والد دہلی کے کسی اسپتال میں اسسٹنٹ سول سرجن تھے اس لیے انھوں نے اپنے والد کے ساتھ دہلی میں رہ کر اپنی ابتدائی تعلیم مکمل کی۔ 1924ء میں ہائی اسکول اور 1926ء میں انٹر میڈیٹ پاس کرنے کے بعد اسٹیفن کالج سے بی۔اے۔آنرس تاریخ مضمون کے ساتھ پاس کیا۔ 1931ء میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے انگلستان چلے گئے۔لیکن والدہ کی ناگہانی موت کی وجہ سے وہ واپس ہندوستان آ گئے۔اور پھر انھوں نے علی گڑھ یونیورسٹی سے اردو میں ایم۔اے میں داخلہ لیا۔ کچھ دنوں بعد شعبۂ اردو میں لکچرار کے عہدہ پر فائز ہوئے جہاں 1950ء تک استاد کی خدمت انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد اسی یونیورسٹی کے ٹریننگ کالج میں منتقل ہو گئے جہاں سے 1971ء میں اپنی تدریسی خدمت سے سبکدوش ہوئے۔ ان کی وفات 5/اکتوبر 1988ء کو علی گڑھ میں ہوئی۔

شاعر، افسانہ نگار اور نقاد اختر انصاری بڑی صلاحیتوں کے مالک تھے لیکن ان کا مقام اردو ادب میں شاعر کی حیثیت سے زیادہ بلند ہے۔ انھوں نے غزل، رباعی، نظم، قطعہ اور مثنوی جیسی اصناف میں طبع آزمائی کی اور کامیاب بھی ہوئے لیکن ایک قطعہ نگار کے طور پر ان کو زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ وہ رومانی مزاج رکھتے تھے۔ ان کے قطعات رومانی جذبات سے معمور ہیں۔ نغمۂ روح، خوناب آبگینے، پرطاؤس، شعلہ بکف، خندہ سحر، دہان زخم، ایک قدم اور سہی، سرود جاں اور مثنوی درد و داغ ان کے شعری تصانیف ہیں۔

زیر درس قطعہ ''فطرت''، اختر انصاری کے مجموعے کلام سے ماخود ہے۔ اس میں رومانیت کا تذکرہ ہے۔

## فطرت

یہاں سے دور جنگل میں رہا کرتی ہے اک دیوی
وہ غم دیدہ دلوں کو غم کے بدلے عیش دیتی ہے
میں جب روتا ہوا جاتا ہوں اس کی بزمِ عشرت میں
تو بڑھ کر ریشمی آنچل سے آنسو پونچھ لیتی ہے

## معنی اور اشارے:

| | |
|---|---|
| غم دیدہ | مصیبت زدہ، غمزدہ |
| بزم | محفل |
| عشرت | راگ رنگ |

## معروضی سوالات:

1۔ اختر انصاری کی سنۂ پیدائش کیا ہے؟

(i) 1909ء (ii) 1910ء

(iii) 1911ء (iv) 1912ء

2۔ اختر انصاری نے استادی کے فرائض کس یونیورسٹی میں انجام دی؟

(i) لکھنؤ یونیورسٹی (ii) علی گڑھ یونیورسٹی

(iii) بنارس یونیورسٹی (iv) جامعہ ملیہ یونیورسٹی

## مختصر ترین سوالات:

1۔ اختر انصاری کے کسی ایک مجموعے کا نام لکھیے؟

2۔ اختر انصاری کی وفات کس سنہ میں ہوئی؟

## مختصر سوالات:

1۔ اختر انصاری کی تصنیفات کے نام لکھیے۔

2۔ اختر نے قطعہ کے علاوہ اور کن اصناف میں طبع آزمائی کی؟

## تفصیلی سوالات:

1۔ اختر انصاری کی قطعہ نگاری پر نوٹ لکھیے۔

2۔ اختر انصاری کے حالات زندگی اور ان کے ادبی خدمات کا جائزہ لیجیے۔

# (5)

# مولانا الطاف حسین حالی

[پیدائش 1837ء، وفات 1914ء]

حالؔی پانی پت کے ایک غریب خاندان میں 1837ء میں پیدا ہوئے۔نو برس کی عمر میں والد کا انتقال ہو گیا۔ حالؔی کو حصول علم کا بے شوق تھا۔ چار پانچ سال بعد دوبارہ دہلی چلے آئے، حالی شیفتہ اور غالب کے شاگرد تھے اور مختلف اساتذہ سے عربی، فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ حالی کے والد کا نام خواجہ ایزو بخش تھا۔ان کی طویل نظموں میں مدوجزر اسلام ہے جو عام طور پر مسدس حالی کے نام سے مشہور ہوئی۔ حالی کا مقدمۂ شعر وشاعری اردو تنقید میں ایک تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔انھوں نے شاعری کے اخلاقی اور اصلاحی پہلوؤں پر زور دیا۔حالی کا شمار سرسید کے خاص رفیقوں میں ہوتا ہے۔ ان کی ابتدائی تعلیم دہلی میں ہوئی۔ان کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اردو شاعری کو نئی راہوں پر ڈالا۔ان کا خیال تھا

کہ شاعری زندگی کو بہتر بنانے میں مددگار ہوسکتی ہے۔ حالی کو غالب، شیفتہ اور سرسید کی صحبت حاصل تھی۔ حالی کی نظم ''مسدّس مدو جزر اسلام'' کے بارے میں سرسید نے کہا ''قیامت کے دن جب خدا پوچھے گا کہ تو کیا لایا ہے تو میں کہوں گا کہ حالی سے مسدس لکھوا کر لایا ہوں''۔ حالی کی وفات 1914ء میں پانی پت میں ہوئی۔

حالی نظم ونثر دونوں میں درجۂ کمال رکھتے تھے۔ اردو میں باقاعدہ تنقید کی ابتدا ''مقدّمۂ شعروشاعری'' سے ہوتی ہے۔ شاعری میں حالی کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ مسدّسِ حالی ان کی ایسی نظم ہے جس میں مسلمانوں کے عروج وزوال کی داستان بڑے مؤثر انداز میں بیان کی گئی ہے۔ مولود شریف، اصول فارسی، مجالس النساء، حیات سعدی، مقدمۂ شعر وشاعری، حیات جاوید، دیوان حالی، مسدّس حالی، کلیات نظم حالی وغیرہ ان کی اہم تصانیف ہیں۔

(1)

ہستی ہے تیری رنگ و بو سب کے لیے طاعت میں ہے تیری آبرو سب کے لیے
ہیں تیرے سوا سارے سہارے کم زور سب اپنے لیے ہیں اور تو سب کے لیے

(2)

جیسا نظر آتا ہوں نہ ایسا ہوں میں اور جیسا سمجھتا ہوں نہ ویسا ہوں میں
اپنے سے چھپاتا ہوں میں اپنے خود عیب بس مجھ کو ہی معلوم ہے جیسا ہوں میں

(3)

موسیٰ نے یہ کی عرض اے بارِ خدا مقبول ترا کون ہے بندوں میں سوا
ارشاد ہوا بندہ ہمارا وہ ہے جو لے سکے اور نہ لے بدی کا بدلا

(4)

حاؔلی رہ راست جو کہ چلتے ہیں سدا خطرہ انھیں گرگ کا نہ ڈر شیروں کا
لیکن ان بھیڑیوں سے واجب ہے حذر بھیڑوں کے لباس میں ہیں جو جلوہ نما

(5)

دنیائے دنی کو نقشِ فانی سمجھو رودادِ جہاں کو اک کہانی سمجھو
پر جب کرو آغاز کوئی کام بڑا ہر سانس کو عمرِ جاودانی سمجھو

## معنی اور اشارے:

| | |
|---|---|
| طاعت | بندگی، عبادت |
| راست | سیدھا |
| بدی | برائی |
| احتیاط | بچاؤ |
| مقبول | مشہور |
| جاوِیداں | دائمی |
| گرگ | بھیڑیا |
| نقش | تصویر، بیل بوٹے |
| آغاز | شروعات |

## معروضی سوالات:

1۔ حآلی کا اصل نام کیا تھا؟

(i) الطاف حسین (ii) محمد حسن

(iii) احمد حسین (iv) مرتضٰی احمد

2۔ حآلی کی پیدائش کب اور کہاں ہوئی ؟

(i) 1817 بنارس (ii) 1830 لکھنؤ

(iii) 1837 پانی پت (iv) 1837 کانپور

3۔ حآلی کے والد کا نام کیا تھا؟

(i) خواجہ ایزو بخش (ii) خواجہ بخش

(iii) محمد نصیر (iv) احمد خاں

4۔ شاعری میں حالی کے استاد کون تھے؟

(i) غالب (ii) میر تقی میر

(iii) داغؔ (iv) دردؔ

5۔ برکھارت کس کی نظم ہے؟

(i) حالی (ii) اقبال

(iii) فیض (iv) اکبر

6۔ حآلی کی وفات کہاں ہوئی؟

(i) پانی پت (ii) لکھنؤ

(iii) بنارس (iv) دہلی

7۔ اردو میں باقاعدہ تنقید کی ابتدا کس کتاب سے ہوتی ہے۔

(i) یادگارِ غالب (ii) حیاتِ جاوید

(iii) حیاتِ سعدی (iv) مقدمہ شعروشاعری

8۔ ’’مدوجزر اسلام‘‘ کس نام سے مشہور ہے۔

(i) مسدّس حالی (ii) چپ کی داد

(iii) مناجات بیوہ (iv) نشاط امید

## مختصر ترین سوالات:

1۔ ''سب کے لیے'' کیا مراد ہے؟

2۔ لفظ 'طاعت' کا کیا مطلب ہے؟

## مختصر سوالات:

1۔ ارشاد ہوا بندہ ہمارا وہ ہے/ جو لے سکے اور نہ لے بدی کا بدلا
اس شعر کا مطلب اپنے لفظوں میں لکھیے۔

2۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ ربُّ العزت سے کیا عرض کیا؟

3۔ شاعر نے رباعی میں کس کی طرف اشارہ کیا ہے؟

## تفصیلی سوالات:

1۔ حآلی کی رباعیوں کی خوبیاں بیان کیجیے۔

2۔ حآلی کے حالات زندگی پر روشنی ڈالیے۔

# (6)

# اکبر الہ آبادی

[پیدائش 1846ء، وفات 1921ء]

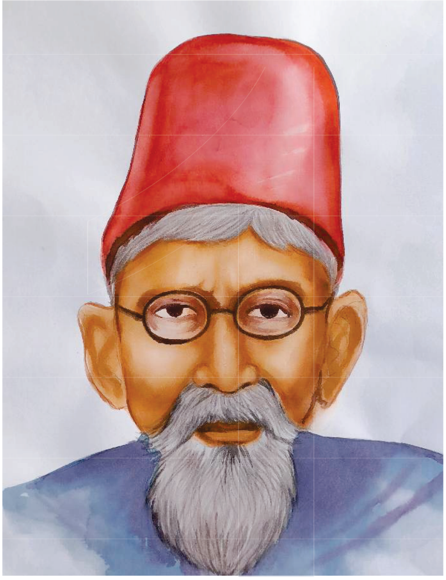

سید اکبر حسین نام اور اکبر تخلص تھا۔ اکبر 1846ء میں الہ آباد میں پیدا ہوئے۔ اکبر کی ابتدائی تعلیم الہ آباد کے سرکاری اسکول میں ہوئی۔ عربی اور فارسی اپنے والد سے پڑھی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد نائب تحصیلدار ہو گئے۔ 1872ء میں وکالت کا امتحان پاس کیا اور وکالت کرنے لگے۔ 1888ء میں الہ آباد کورٹ میں جج ہو گئے۔ 1898ء میں انگریزی حکومت نے ان کی خدمات کے بدولت ''خان بہادر'' کا خطاب عطا کیا۔ اکبر کے والد ایک صوفی منش بزرگ تھے۔ اکبر کے دادا فضل محمد تھے۔ اکبر کی زندگی کا آخری زمانہ ذہنی وجسمانی تکالیف اور پریشانیوں میں گذرا۔ 75 برس کی عمر میں 1921ء میں الہ آباد میں وفات پائی۔ اکبر الہ آبادی نے جس دور میں شاعری شروع کی، اس وقت ملک پر انگریزوں کی

حکومت تھی اور ہندوستانی اپنی تہذیب کو بھلا کر مغربی تہذیب کی اندھی تقلید کر رہے تھے۔ اکبر ہندوستانیوں خاص طور سے مسلمانوں کی اس تقلید سے ناخوش تھے۔ اس لیے انھوں نے مغربی تہذیب کو اپنے طنز کا نشانہ بنایا۔

(1)

پیری آئی ، ہوئی جوانی رخصت ساتھ اس کے وہ لطف زندگانی رخصت
ہے اب تو اسی کا انتظار اے اکبر ہم کو بھی کرے جہانِ فانی رخصت

(2)

ہر اک سے سنا نیا فسانا ہم نے دیکھا دنیا میں اک زمانا ہم نے
اول یہ تھا کہ واقفیت پہ تھا ناز آخر یہ کھلا کہ کچھ نہ جانا ہم نے

(3)

اکبر کے کلام میں مزا کچھ بھی نہیں گو اس نے بہت کہا ، کہا کچھ بھی نہیں
زلف و کمر بتاں کا مفقود ہے ذکر شیطان پہ طعن کے سوا کچھ بھی نہیں

## معنی اور اشارے:

| | |
|---|---|
| پیری | بڑھاپا |
| رخصت | اجازت |
| لطف | لذّت، خوبی |
| مفقود | کھویا ہوا، غائب |
| طعن | نیزے کی ضرب، ملامت |

## معروضی سوالات:

1۔ اکبرالہ آبادی کا پورا نام کیا تھا؟

(i) اکبر حسین (ii) محمود خاں

(iii) اکبر (iv) مرزا حسین

2۔ اکبرالہ آبادی کہاں پیدا ہوئے؟

(i) الہ آباد (ii) لکھنؤ

(iii) دہلی (iv) بنارس

3۔ اکبرالہ آبادی کو کون سا خطاب ملا تھا؟

(i) شمس العلما (ii) خان بہادر

(iii) لسان العصر (iv) ان میں سے کوئی نہیں

4۔ نظم ''برقِ کلیسا'' کے شاعر کا نام بتائیے۔

(i) اکبر (ii) اقبال

(iii) حالی (iv) فیض

5۔ اکبرالہ آبادی کے والد کا نام کیا تھا؟

(i) تفضّل حسین (ii) غلام حسین

(iii) اشفاق حسین (iv) رفیق حسین

6۔ اکبرالہ آبادی نے کون سی نظم لکھی ہے؟

(i) تنہائی (ii) رام

(iii) گاندھی نامہ (iv) البیلی صبح

7۔ اکبرالہ آبادی کی وفات کب ہوئی؟

(i) 1918 (ii) 1921

(iii) 1909 (iv) 1938

8۔ اکبرالہ آبادی کا لقب کیا تھا۔

(i) لسان العصر (ii) اکبر

(iii) اکبرالہ آبادی (iv) اکبر حسین

## مختصر ترین سوالات:

1۔ اکبر کے والد کس طرح کے انسان تھے؟

2۔ اکبر کے زاویے سے زندگی کا لطف کب تک ہے؟

## مختصر سوالات:

1۔ رباعی کسے کہتے ہیں؟ مثالوں کے ذریعے واضح کیجیے۔

2۔ اکبرؔ نے کون سی تہذیب کو اپنے طنز کا موضوع بنایا؟

3۔ ''اول یہ تھا کہ واقفیت پہ تھا ناز'' سے کیا مراد ہے۔

## تفصیلی سوالات:

1۔ اکبرؔ کی شاعرانہ خصوصیات کیجیے۔

2۔ اکبرؔ کی شامل نصاب کسی ایک رباعی کا خلاصہ تحریر کیجیے۔

3۔ اکبرؔ کے حالاتِ زندگی پر ایک نوٹ لکھیے ۔

(7)

# جوشؔ ملیح آبادی

[پیدائش 1898ء، وفات 1982ء]

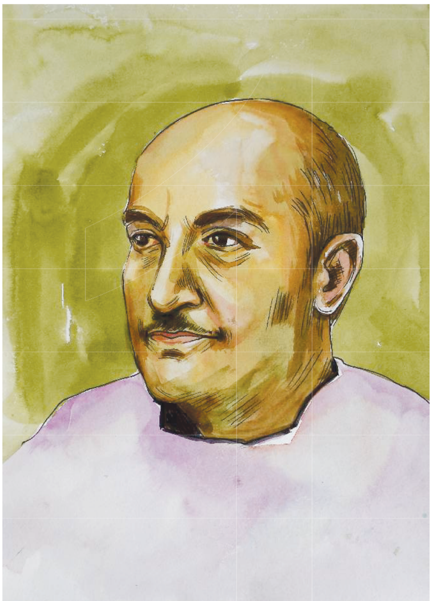

جوشؔ ملیح آبادی موجودہ دور کے سب سے بڑے انقلابی شاعر سمجھے جاتے ہیں۔ وہ ایک جاگیردار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کا نام شبیر حسن خاں تھا اور جوشؔ تخلص۔ ابتدائی تعلیم ملیح آباد میں حاصل کی۔ ان کے دادا فقیر محمد خان گوؔیا فارسی کے مشہور شاعر تھے۔ دس بارہ سال تک حیدر آباد میں رہے۔ انھوں نے دِلّی سے اپنا ایک رسالہ ''کلیم'' نکالا۔ ان کو شاعری وراثت میں ملی۔ انھوں نے حیدر آباد میں بھی ملازمت کی اور بعد میں سرکاری رسالے ''آج کل'' کے ایڈیٹر بھی رہے۔ آزادی کے بعد انھیں 1955ء میں حکومت ہند نے پدم بھوشن کے اعزاز سے نوازا۔ 1956ء میں وہ پاکستان

چلے گئے۔ایک عرصے تک اردو بورڈ کراچی سے منسلک رہےاور لغت کا کام کرتے رہے۔لیکن وطن ہندوستان سے جدائی کا احساس مرتے دم تک رہا۔''یادوں کی بارات'' کے نام سے ان کی آپ بیتی بھی شائع ہو چکی ہے۔جوش نے 1982ء میں کراچی میں وفات پائی۔

(1)

افسوس ہے اے جی کے گنوانے والو! ہر سانس میں سو فریب کھانے والو!
غم موج تبسم سے ترش جانا ہے بیدار ہو اے اشک بہانے والو!

(2)

ہر بات پہ منہ ترا اترتا کیوں ہے؟ جینے کے لیے بنا ہے مرتا کیوں ہے؟
کونین کے ساتھ کھیل ، اے طفلِ حیات کونین خود اک کھیل ہے ڈرتا کیوں ہے؟

(3)

کیا جانئے چہرہ زرد ہوتا کیوں ہے دل رنج و الم سے سرد ہوتا کیوں ہے
افسوس کہ اتنا بھی نہیں ہے معلوم کانٹا چبھنے سے درد ہوتا کیوں ہے

(4)

چھانی ہر چند اک خدائی ہم نے کیا کیا نہ یہاں خاک اڑائی ہم نے
واللہ کہ خشکی و تری میں کوئی شے انساں سے عجیب تر نہ پائی ہم نے

(5)

افسوس کہ کوئی کام ہوتا ہی نہیں جی بھر کے یہاں قیام ہوتا ہی نہیں
سننے والے تمام ہو جاتے ہیں افسانہ مگر تمام ہوتا ہی نہیں

(6)

انسان کی جس قدر بھی طرّاری ہے بس وقت گزارنے کی عیّاری ہے
افسوس کہ بے معرفتِ رازِ حیات جینا کتنی شدید بے کاری ہے

## معنی اور اشارے:

| | |
|---|---|
| رنج والم | غم |
| اشک | آنسو |
| فریب | دھوکا |
| تبسم | مسکراہٹ |
| زرد | پیلا |

## معروضی سوالات:

1۔ جوشؔ کا اصل نام کیا تھا؟

(i) شبیر حسن خاں (ii) بشیر احمد خاں

(iii) برج نرائن (iv) شبیر حسین خاں

2۔ جوشؔ کے دادا کا نام کیا تھا؟

(i) بشیر احمد خاں (ii) فقیر محمد خاں

(iii) محمد احمد خاں (iv) معین احسن

3۔ جوشؔ کی پیدائش کب اور کہاں ہوئی؟

(i) 1898 ملیح آباد (ii) 1880 آگرہ

(iii) 1884 بنارس (iv) 1888 دہلی

4۔ جوشؔ کی وفات کب اور کہاں ہوئی ؟

(i) 1982 کراچی (ii) 1912 دہلی

(iii) 1900 کانپور (iv) 1901 لکھنؤ

## مختصر ترین سوالات:

1۔ ''جینے کے لیے بنا ہے مرتا کیوں ہے'' سے کیا مراد ہے؟

2۔ شاعر نے کس کو کہا ہے: ''اس سے عجیب کوئی چیز نہیں ملی؟

3۔ پہلی رباعی میں لفظ فریب کے کیا معنی ہے؟

4۔ ''تو کیوں اداس ہو رہا ہے''۔ یہ شاعر نے کس کے لیے کہا ہے؟

## مختصر سوالات:

1۔ یادوں کی بارات کیسی تصنیف ہے؟

2۔ حکومت ہند نے انھیں کون سے اعزاز سے نوازا؟

## تفصیلی سوالات:

1۔ ''کیا جانیئے چہرہ زرد ہوتا کیوں ہے'' اس رباعی کا مرکزی خیال اپنے لفظوں میں لکھیے۔

2۔ جوشؔ کا مختصر تعارف پیش کیجیے۔

# (8)

# فراقؔ گورکھپوری

[پیدائش 1896ء، وفات 1982ء]

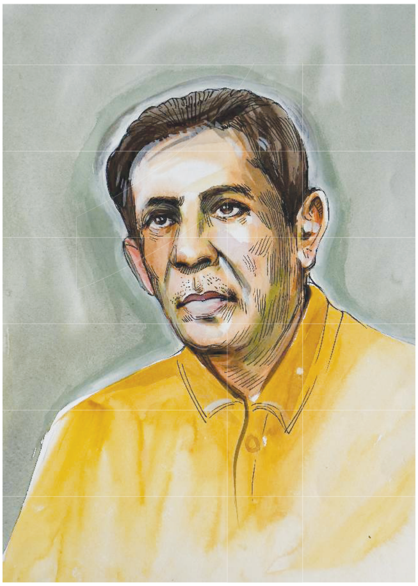

رگھوپتی سہائے فراقؔ گورکھپوری نے غزل اور نظم کے علاوہ صنف رباعی میں بھی طبع آزمائی کی۔ وہ ایک جدّت پسند شاعر تھے اور انھوں نے اپنی رباعیوں میں اس کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔ اُن کی ابتدائی رباعیاں اگرچہ کلاسیکی رنگ و آہنگ میں ڈوبی ہوئی ہیں، لیکن بعد کے زمانے میں جو رباعیاں کہیں اور جنھیں ''روپ'' کے عنوان سے شائع کیا، وہ فکر و فن کے اعتبار سے کچھ الگ ہی لطف رکھتی ہیں۔ یہ رباعیاں ہندوستانی تصور جمال جس میں عورت کے کئی روپ ہیں، کی بھرپور ترجمانی کرتی ہیں۔ روپ کی رباعیوں کی وجہ سے فراقؔ کو کافی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی اور ان کا شمار منفرد طرز و اسلوب رکھنے والے رباعی گویوں میں ہوتا ہے۔

(1)

دنیا کو کسی نوع سے یہ راز ملے　　دنیا کے کسی ساز سے یہ ساز ملے
دنیا کو تو ہم دیتے سکونِ جاوید　　کچھ دل کے دھڑکنے کا بھی انداز ملے

(2)

کرتے نہیں کچھ تو کام کرنا کیا آئے　　جیتے جی جاں سے گزرنا کیا آئے
رو رو کے موت مانگنے والوں کو　　جینا نہیں آ سکا تو مرنا کیا آئے

(3)

ناشاد کسے بتاتے ہیں شاد کسے　　کہتے ہیں کسے اسیر ، آزاد کسے
اک دل ہے کہ سو بھیس بدلتا ہے فراقؔ　　برباد کسے کہتے ہیں آباد کسے

(4)

دنیا جو سنور جائے سنور جانے دے　　دنیا جو نکھر جائے نکھر جانے دے
یہ فرصت نظارہ غنیمت ہے فراقؔ　　دل پر جو گزر جائے گزر جانے دے

(5)

آئینۂ نیل گوں سے پھوٹی ہے کرن　　آکاش پر ادھ کھلے کنول کا جو بن
یوں اودی فضا میں لہلہاتی ہے سحر　　جس طرح کھلے ترے تبسم کا چمن

## معنی اور اشارے:

| | |
|---|---|
| جاوید | باقی رہنے والا، ہمیشہ رہنے والا |
| ناشاد | پوشیدہ، غمگین، رنجیدہ |
| بن | جنگل |
| تبسم | مسکراہٹ |
| چمن | باغ |

## معروضی سوالات:

1۔ غزل اور نظم کے علاوہ فراقؔ نے کس صنف میں طبع آزمائی کی؟

(i) مثنوی (ii) قصیدہ

(iii) مرثیہ (iv) رباعی

2۔ ''روپ'' کن کی رباعیوں کا مجموعہ ہے؟

(i) فراق گورکھپوری (ii) فانی بدایونی

(iii) جگر مرادآبادی (iv) اصغر گونڈوی

3۔ فراقؔ گورکھپوری کی رباعیاں کہاں کے تصور جمال کی ترجمانی کرتی ہیں؟

(i) پاکستان (ii) ہندوستان

(iii) ایران (iv) عرب

4۔ فراقؔ گورکھپوری کا اصل نام کیا تھا؟

(i) رگھوپتی سہائے (ii) گن پت سہائے

(iii) سمپت سہائے (iv) دھنپت سہائے

## مختصر ترین سوالات:

1۔ پہلی رباعی میں ''سکونِ جاوید'' سے کیا مراد ہے؟

2۔ فراقؔ کے شعری مجموعوں کے نام بتائیے۔

3۔ رباعی میں کتنے مصرع ہوتے ہیں؟

## مختصر سوالات:

1۔ ''یہ فرصت نظارہ غنیمت ہے فراق'' سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

2۔ فراقؔ کی رباعیوں کے کس مجموعے سے ان کی شہرت ومقبولیت بڑھی؟

## تفصیلی سوالات:

1۔ فراقؔ کے حالات زندگی پر مختصراً روشنی ڈالیے۔

2۔ فراقؔ صاحب کی رباعی نگاری کی خصوصیات بیان کیجیے۔

3۔ نصاب میں شامل پانچویں رباعی کا خلاصہ اپنی زبان میں لکھیے۔

# 7- جدید نظم

عام طور سے نثر کے برعکس لفظ نظم کا استعمال ہوتا ہے اور اس سے شاعری کی تمام اصناف مراد لی جاتی ہے، لیکن اصطلاح شعر میں نظم سے مراد ایک مخصوص صنف ہے جس کے ہر شعر میں ربط و تسلسل ہو اور جو اپنے موضوع کا مکمل طور سے احاطہ کرتی ہو۔ نظم کے ابتدائی نقوش اُردو شاعری کے آغاز سے ہی ملنے شروع ہو جاتے ہیں اور اُردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر قلی قطب شاہ کے یہاں ایسے کلام دستیاب ہیں جن کو نظم کہا جا سکتا ہے لیکن اس عہد میں ان منظومات کو نظم کا نام نہیں دیا گیا۔ نظیرؔ اکبر آبادی کے یہاں بھی نظم کی مثالیں ملتی ہیں، جس کے بنا پر انھیں اردو نظم نگاری کا پیش رو کہا جاتا ہے۔ لیکن اردو میں نظم نگاری کا باضابطہ آغاز انجمنِ پنجاب کے جلسوں سے ہوتا ہے۔ انجمن پنجاب کے زیر اہتمام ہونے مشاعروں میں مصرع طرح کی بجائے مختلف موضوعات دیئے جاتے تھے جس سے نظم نگاری کو فروغ حاصل ہوا۔ جدید نظم نگاری کی ابتدا 1874ء سے ہوئی۔ جدید نظم کو اعتبار و استحکام بخشنے میں مولانا محمد حسین آزادؔ، مولانا الطاف حسین حالیؔ، علّامہ شبلیؔ نعمانی، اکبرؔ الہ آبادی، اسمٰعیلؔ میرٹھی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان حضرات نے اس کو ایک تحریک کی شکل دے دی جس سے نظم نگاری کی رفتار میں تیزی آئی۔ ان شعرا کے بعد چکبستؔ، اقبالؔ، سرورؔ جہاں آبادی، جوشؔ ملیح آبادی، فیض احمد فیضؔ، ن۔م۔ راشد، علی سردارؔ جعفری، میراجیؔ، اخترؔ الایمان، جمیلؔ مظہری وغیرہ نے نظم نگاری کی روایت کو آگے بڑھایا اور اس صنف میں گوناگوں موضوعات شامل کیے جس کے باعث اس کا دامن وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔ ہیئت کے اعتبار سے بھی اس میں نئے نئے تجربے کیے گئے۔

(1)

# نظیر اکبر آبادی

[پیدائش 1735-1740ء]

نظیر اکبر آبادی کا نام ولی محمد تھا۔ نظیر تخلص فرماتے تھے۔ 1735-1740ء کے درمیان (ڈاکٹر رام بابو سکسینہ کے مطابق نادر شاہ کے دہلی حملہ کے وقت پیدا ہوئے تھے) دلّی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام محمد فاروق تھا۔ عبدالغفور شہباز نے اپنی کتاب ''زندگانی بے نظیر'' میں لکھا ہے کہ احمد شاہ ابدالی کے وقت نظیر اپنی ماں اور نانی کو لے کر آگرہ چلے گئے جہاں محلّہ تاج گنج جو تاج محل کے قریب تھا، سکونت پذیر ہو گئے۔ نظیر نے مکتب سے عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی، طبیعت کو موزونیت فطرت سے ملی تھی۔ نظیر ایک سادہ اور صوفی آدمی تھے۔ ان کی ساری عمر معلّمی میں بسر ہوئی۔ وہ

قناعت پسند تھے۔نظیر اکبرآبادی ایک ایسے شاعر ہیں جنھوں نے شاعری کے جملہ محاسن کو پورے طور پر پیش کرنے کے ساتھ ساتھ انسان اور اُس کی معاشرت کو ہر رنگ میں اور ہر پہلو سے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔اُن کی نظموں میں جہاں عوامی زندگی کی جیتی جاگتی، ہنستی بولتی اور چلتی پھرتی تصویریں نظر آتی ہیں اُسی طرح درباروں،شہروں، بازاروں، خانقاہوں اور مندروں کی رونقیں اور چہل پہل بھی بھرپور انداز میں دکھائی دیتی ہے۔اُنھیں ہندوستان کے ذرے ذرے سے بے پناہ محبت اور عقیدت ہے۔اس لیے اُنھوں نے ہندوستان کے مختلف تہواروں،تقریبوں، میلوں ٹھیلوں اور مذہبی رہنماؤں کی شان میں کثرت سے نظمیں لکھی ہیں۔اُنھوں نے عید، شبِ برات اور حضرت سلیم چشتی کے حوالے سے نظمیں تخلیق کی ہیں۔وہیں ہولی، دیوالی، راکھی، کنھّیا جی کا جنم، کرشن جی، بلدیو جی کا میلہ، گرونانک شاہ پر بھی نظمیں تحریر کی ہیں۔اُن کی نظموں کی خوبی یہ ہے کہ اُن میں موقع محل کی مناسبت سے امیر وغریب اور اعلیٰ وادنیٰ کی زندگیوں اور اُن کے درمیان کے فرق کو بڑے خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔اُن کی نظموں کا ایک بڑا حصّہ اتحاد، بھائی چارہ، انسان دوستی اور عوام دوستی کا ترجمان ہے۔

## میلے کی سیر

آج میلے کا یاں جو ہے سامان    آئے ہیں دور دور سے انسان
کوئی درشن کوئی دعائیں مان    سب کی ہوتی ہیں مشکلیں آسان
ہر طرف کھل رہے گل و ریحان    ہار بدھی مٹھائی اور پکوان
بھیڑ انبوہ غل دکان دکان    اور یہی شور ہر گھڑی ہر آن

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

لوگ چاروں طرف کے آتے ہیں    آ کے عیش و طرب مناتے ہیں
دل سے سب درشنوں کو جاتے ہیں    اپنے دل کی مرادیں پاتے ہیں
جھانجھ مردنگ دف بجاتے ہیں    راس منڈل بھجن سناتے ہیں
دل میں پھولے نہیں سماتے ہیں    سب یہ ہنس ہنس کے کہتے جاتے ہیں

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

ناچ اور راگ کے کھڑا کے ہیں    گھنگرو اور تال کے جھنا کے ہیں
نقلیں قصے کہانی سا کے ہیں    کھنڈ دہرے کبت کتھا کے ہیں
رتی کی ہے کہیں مچی ٹھن ٹھن    کہیں گھنٹوں کی ہو رہی ٹنٹن
تال مردنگ جھانجھ کی جھن جھن    خاص پرشاد مصری اور ماکھن

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے
اتنے لوگوں کے ٹھٹھ لگے ہیں آ جو کہ تل دھرنے کی نہیں ہے جا
لے کے مندر سے دو دو کوس لگا باغ و بن بھر رہے ہیں سب ہر جا
ہیں ہزاروں بساطی اور سودا لاکھوں بکتے ہیں گہنے اور مالا
بھیڑ انبوہ اور دھرم دھکا جس طرف دیکھیے ابا بابا
رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے
ہیں ہزاروں ہی جنس کے ہٹے موتی مونگا اور آرہی بٹے
پیڑے لڈو جلیبی اور گٹے کولے نارنگی سنگترے کھٹے
کوئی تو کر رہا ہے چھل بٹے کوئی چڑھاتا ہے کھیر کے چٹے
پُر ہیں مندر کے کوٹھے اور اٹے بوڑھے لڑکے جوان اور کٹے
رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

## معنی اور اشارے:

| | |
|---|---|
| گل وریحان | پھول اور پودے |
| عیش وطرب | خوشی اور آرام |
| بساطی | بازار یں سرِ راہ دکان لگا کر بیٹھنے والا، تاجر |
| آرسی | (۱) عورتوں کے انگوٹھے میں پہننے کی انگشتری جس میں آئینہ جڑا ہوتا ہے |
| | (۲) منہ دیکھنے کا شیشہ |

## معروضی سوالات:

1۔ زندگانی بے نظیر کے مصنف کا نام کیا ہے؟

(i) عبدالغفور شہباؔز (ii) رحمت اللہ شہباؔز

(iii) عبدالوحید شہباؔز (iv) عبدالکریم شہباؔز

2۔ احمد شاہ ابدالی کے حملے کے وقت نظیر کہاں چلے گئے؟

(i) بنارس (ii) گورکھپور

(iii) لکھنؤ (iv) آگرہ

3۔ محمد فاروق نظیؔر اکبرآبادی کے کون تھے؟

(i) چچا (ii) والد

(iii) دادا (iv) نانا

4۔ نظیر اکبرآبادی کہاں پیدا ہوئے؟

(i) آگرہ (ii) دہلی

(iii) غازی آباد (iv) لکھنؤ

## مختصر ترین سوالات:

1۔ نظیر اکبرآبادی کا اصل نام کیا تھا؟

2۔ نظیر اکبرابادی کے والد کا نام کیا تھا؟

3۔ نظیر اکبرآبادی کی پیدائش کب ہوئی؟

4۔ نظیر اکبرآبادی کی وفات کس سنہ میں ہوئی؟

## مختصر سوالات:

1۔ نظم ''آدمی نامہ'' میں شاعر نے کس بات کی اہمیت پر زور دیا ہے؟

2۔ نظیر اکبرآبادی کی شاعری پر ایک تنقیدی نوٹ پیش کیجیے۔

3۔ ''کلجگ''، نظم ک بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

## تفصیلی سوالات:

1۔ شاعر ہندوستانی تہذیب سے کیوں متاثر ہے؟

2۔ نظیر اکبرآبادی عوام سے کیوں متاثر ہوئے؟

3۔ نظیر اکبرآبادی کو دہلی کے مقابلے آگرہ زیادہ پسند آیا۔ کیا سبب تھا؟

## (2)

# اکبرالہ آبادی

[پیدائش 1846ء، وفات 1921ء]

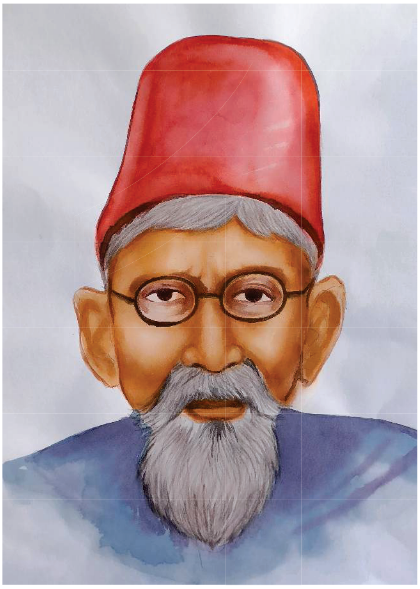

اردو زبان میں طنز و ظرافت کے مشہور شاعر اکبرالہ آبادی کا نام اکبر حسین رضوی تھا۔ تخلص اکبر لکھتے تھے۔ یہ الہ آباد کے گاؤں بارہ میں 16 رنومبر 1846 کو پیدا ہوئے۔ بچپن سے ہی ذہین محنتی اور پڑھنے کے شوقین تھے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہی اپنے والد تفضّل حسین رضوی سے حاصل کی۔ پھر الہ آباد آ کر رہنے لگے اور جمنا مشن اسکول میں داخلہ لیا۔ لیکن 1857ء کے انقلاب کے بعد کچھ وقت تک تعلیم جاری نہ رکھ سکے۔ بعد میں وکالت کا امتحان پاس کیا۔ مختلف عہدوں پر فائز ہوئے۔ 1881ء میں منصف کے عہدے پر فائز ہوئے۔ 1894ء میں سیشن جج ہو گئے۔ 1903ء میں قبل از

وقت رٹائرمنٹ لے لیا۔اس کے بعد 18 برس فراغت کے ساتھ خدمت ادب میں بسر کی۔ بالآخر 9/ستمبر 1921 کو 75 سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔

اکبر نے انگریزی حکومت کے دور میں ہوش سنبھالا۔ یہ دور پوری طرح مغربی تہذیب وتمدن میں ڈوبا ہوا تھا۔مشرقی علوم وفنون،عقائد،خیالات اور تہذیب وتمدن پر بھی مغربیت کا رنگ چڑھ رہا تھا۔عورتوں میں بے پردگی اور بے حجابی بڑھتی جارہی تھی۔قوم کے جوان و بچے انگریزی طور طریقوں کے دلدادہ ہورہے تھے۔قوم کا شیرازہ منتشر ہورہا تھا۔ اکبر اپنے قوم وملک کی تہذیب کو جدید تہذیب کے طوفانی اثرات سے بچانا چاہتے تھے۔انھوں نے اپنی شاعری میں طنز وظرافت کو آلۂ کار بنا کر اس پر بھرپور وار کیا۔

ان کی شاعری میں اخلاقی،سیاسی،اصلاحی،روحانی اور مذہبی عناصر پائے جاتے ہیں۔ پھر بھی ان کی انفرادیت ان کی طنزیہ ومزاحیہ شاعری میں نظر آتی ہے جو ان کو دائمی شہرت عطا کرتی ہے۔انھوں نے اپنی شاعری کو سماجی اصلاح کا مؤثر ہتھیار بنا کر استعمال کیا ہے۔

اکبر نئی تہذیب اور انگریزی تعلیم کے بھی خلاف تھے لیکن انگریزی حکومت کی نوکری پر فائز ہونے کی وجہ سے دل کی بات زبان پہ لانا آسان نہ تھا۔اس لیے محتاط ہو کر اظہار خیال کرتے تھے۔اپنی بات کو اشارے کنایے اور طنزیہ پیرایے میں کہہ جاتے تھے۔ یہاں تک کہ انگریزی حکومت کے خلاف نفرت کا اظہار بھی احتیاط کے ساتھ کر ہی جاتے تھے۔بعض نظموں میں آپ نے سائنس کی برکتوں کو سراہا بھی ہے اور اس حقیقت کا اعتراف بھی کیا ہے کہ انگریزوں نے ملک کو ایک مستحکم حکومت دی۔

اکبر نے اپنی شاعری میں انگریزی الفاظ کا استعمال نہایت خوش اسلوبی سے کیا ہے۔یہی نہیں ان کی شاعری میں شیخ،بدّھو،کلّو،جھٹن،ٹٹو،اونٹ گائے وغیرہ نئی نئی وضع کے ساتھ نظر آتے ہیں۔

ان کا کلام کلیات اکبر کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ان کی شاعری نئی روشنی کے سیلاب کو تو روک نہیں سکی لیکن اردو شاعری کے سرمایے میں اخلاقی واصلاحی شاعری کا اضافہ ضرور ہو گیا۔

# رنگِ زمانہ

کہاں ثبات کا اس کو خیال ہوتا ہے　　زمانہ ماضی ہی ہونے کو حال ہوتا ہے
فروغ بدر کا باقی رہا نہ بت کا شباب　　زوال ہی کے لیے ہر کمال ہوتا ہے
میں چاہتا ہوں کہ بس ایک ہی خیال رہے　　مگر خیال سے پیدا خیال ہوتا ہے
بہت پسند ہے مجھ کو خموشی و عزلت　　دل اپنا ہوتا ہے اپنا خیال ہوتا ہے
وہ توڑتے ہیں تو کلیاں شگفتہ ہوتی ہیں　　وہ روندتے ہیں تو سبزہ نہال ہوتا ہے
سوسائٹی سے الگ ہو تو زندگی دشوار　　اگر ملو تو نتیجہ ملال ہو تا ہے
پسند چشم کا ہرگز کچھ اعتبار نہیں　　بس اک کرشمۂ وہم و خیال ہوتا ہے
اگرچہ آہ سے تکلیف دل کو ہو لیکن　　ہوائے نفس میں کچھ اعتدال ہوتا ہے
نگاہ لطف بتاں مطمئن نہیں کرتی　　فریب ہی کا مجھے احتمال ہوتا ہے
خدا کا شوق ہو جس کو میں اس کا شائق ہوں　　خدا کا یوں تو ہر اک کو خیال ہوتا ہے

اگرچہ ریش منڈانے میں ہے صفائی رخ
گناہ گار مگر بال بال ہوتا ہے

## معنی واشارے:

| | |
|---|---|
| ثبات | قیام،قرار، پائیداری |
| فروغ | روشنی |
| بدر | چودھویں رات کا چاند |
| بت | معشوق،مورتی |
| عُزلت | تنہائی |
| نفس | سانس |
| اعتدال | درمیانی درجہ |
| احتمال | شک، وہم |
| شائق | شوقین |
| ریش | داڑھی |
| رُخ | چہرہ |
| شباب | جوانی |
| زوال | اتار، ڈوبنا(سورج کا) |

## معروضی سوالات:

1۔ گزرے ہوئے زمانے کو کہتے ہیں:

(i) ماضی (ii) حال

(iii) مستقبل (iv) مضارع

2۔ چودھویں رات کے چاند کے لیے اس نظم میں کون سا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

(i) ہلال (ii) ہالہ

(iii) بدر (iv) ماہ

3۔ زمانے کی بے ثباتی کا ذکر کس مصرعے میں کیا گیا ہے۔

(i) مگر خیال سے پیدا خیال ہوتا ہے (ii) زوال ہی کے لیے ہر کمال ہوتا ہے

(iii) اگر ملو تو نتیجہ ملال ہوتا ہے (iv) وہ روندتے ہیں تو سبزہ نہال ہوتا ہے

4۔ بتاں کے معنی اس نظم میں کیا ہیں۔

(i) مورتی (ii) دوست

(iii) بھگوان (iv) معشوق

## مختصر ترین سوالات:

1۔ اکبرالہ آبادی کس صنف میں شہرت رکھتے ہیں؟

2۔ اکبرالہ آبادی کس تہذیب کے خلاف تھے؟

3۔ اکبرالہ آبادی نے اس نظم میں سوسائٹی کے بارے میں کیا کہا ہے؟

## مختصر سوالات:

1۔ اس شعر کی تشریح کیجیے۔

خدا کا شوق ہو جس کو میں اس کا شائق ہوں خدا کا یوں تو ہر ایک کو خیال ہوتا ہے

2۔ اس شعر کو پورا کیجیے۔

میں چاہتا ہوں کہ بس ایک ہی خیال رہے مگر خیال سے پیدا..................

3۔ اکبرالہ آبادی کی شاعری میں کون سا رنگ سب سے زیادہ دیکھنے کو ملتا ہے؟

## تفصیلی سوالات:

1۔ اکبرالہ آبادی کی شاعرانہ عظمت پر مضمون لکھیے۔

2۔ 'رنگ زمانہ' کا خلاصہ اپنی زبان میں تحریر کیجیے۔

## (3)

# ڈاکٹر محمد اقبال

[پیدائش 1877ء، وفات 1938ء]

علامہ اقبالؔ کے آباء واجداد کشمیر سے آ کر سیالکوٹ میں آباد ہو گئے تھے۔ اقبالؔ کے والد شیخ نور محمد بڑے نیک اور اللہ والے بزرگ تھے۔ سیالکوٹ میں اپنی نیکی اور پرہیز گاری کی وجہ سے ہر دل عزیز تھے۔ ان کے دو بیٹے تھے عطا محمد اور محمد اقبال، یہی اقبال ہیں جو آگے چل کر ایشیا کے سب سے بڑے شاعر مانے گئے۔ اقبال 1877ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ اقبال مشن اسکول میں تعلیم پا کر کالج میں داخل ہو گئے۔ اقبال ابھی اسکول میں پڑھتے ہی تھے کہ ان کی طبیعت کے اصل جوہر چمکنے لگے اور اُنھوں نے شاعری کی طرف توجہ کی۔ مولانا روم کے اشعار اقبال کو بہت پسند تھے۔ آپ نے اس

زمانے میں اپنا کلام حضرت داغ کو بغرض اصلاح بھیجنا شروع کر دیا۔ داغ ڈاک کے ذریعے آپ کے کلام کی اصلاح کر کے ان کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ لاہور میں مشاعرے بھی ہوتے تھے جن میں اس زمانے کے مشہور شعرا شریک ہوتے تھے۔ اقبالؔ بھی ان مشاعروں میں اپنا کلام پڑھنے لگے اور آہستہ آہستہ سب کی نظریں ان پر پڑنے لگیں۔ ابھی ان کی عمر ۲۲ رسال کی تھی کہ لاہور کے ایک مشاعرہ میں انھوں نے ایک غزل پڑھی۔ اس مشاعرے میں مرزا ارشد گرگانی بھی تھے جو ان دنوں چوٹی کے شاعروں میں گنے جاتے تھے۔ جب اقبالؔ نے یہ شعر پڑھا:

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لیے
قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

تو مرزا مرشد تڑپ اُٹھے اور کہنے لگ ''میاں صاحبزادے سبحان اللہ اس عمر میں یہ شعر!''۔ جس زمانے میں وہ کالج میں پڑھتے تھے اُن کی شاعری کی دھوم مچ گئی تھی۔ 1899ء میں انجمن حمایت اسلام کے جلسہ میں آپ نے ''نالۂ یتیم'' کے عنوان سے ایک دردانگیز نظم پڑھی جس سے سننے والوں کے دل بے چین ہو گئے اور حاضرین کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو ٹپک پڑے پھر آپ نے ''ہمالہ''، ''ہندوستان'' وغیرہ نظمیں لکھیں جو ہندوستان بھر میں پسند کی گئیں۔ انھیں دنوں انھوں نے غزل کے ساتھ ساتھ نظم پر بھی توجہ دی۔ ایک ادبی مجلس میں انھوں نے اپنی اولین نظم 'ہمالہ' سنائی تو اسے بہت پسند کیا گیا۔ اسی زمانے میں انھوں نے بچوں کے لیے بھی بہت سی نظمیں لکھی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ مکالماتی بیان مثلاً 'مکڑا اور مکھی'، 'پہاڑ اور گلہری'، 'گائے اور بکری' کو بھی نہایت خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ ''لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری'' اقبال کی یہ دعائیہ نظم زیادہ تر اسکولوں میں دعا کے طور پر شامل ہے۔

ہندوستان کی آزادی سے پہلے 21 راپریل 1938ء کو علامہ اقبالؔ انتقال کر گئے۔ تاہم ایک عظیم شاعر اور مفکر کے طور پر قوم ہمیشہ ان کی احسان مند رہے گی۔ شاعر مشرق علامہ اقبال حساس دل و دماغ کے مالک تھے۔ آپ کی شاعری زندہ شاعری ہے جو ہمیشہ انسان اور انسانیت کے لیے مشعلِ راہ بنی رہے گی۔ علامہ اقبالؔ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ بہت بڑی بات انتہائی آسانی سے کہہ جاتے تھے۔ علامہ اقبال کا کلام اپنے اندر آفاقیت رکھتا ہے اور دنیا کے لیے جاذب نظر

اور عقل وخرد کے لیے مقوّی غذا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اقبالؔ کی شاعری عمل، حرکت اور احساس خودی کی شاعری ہے۔ ان کا شعر ہے:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

اس نظم کا بنیادی خیال بھی یہی ہے۔

**نظم سیرِ فلک:** علامہ اقبالؔ کے پہلے مجموعۂ کلام 'بانگ درا' میں شامل ہے۔ یہ مجموعہ 1924ء میں مرحلۂ طباعت سے گزر کر منظرِ عام پر آیا۔ علامہ اقبالؔ نے عالمِ خیال میں آسمان کی پرواز کی کہانی سنائی ہے اور جنت اور دوزخ کے واقعات بڑے دلکش انداز میں بیان کیے ہیں۔ دراصل دنیا والے ہی اپنے گناہوں اور بداعمالیوں کے ساتھ اس دنیا سے انگارے لے کر آتے ہیں۔

# سیرِ فلک

تھا تخیّل جو ہم سفر میرا    آسماں پر ہوا گزر میرا
اڑتا جاتا تھا اور نہ تھا کوئی    جاننے والا چرخ پر میرا
تارے حیرت سے دیکھتے تھے مجھے    رازِ سر بستۂ سفر میرا
حلقۂ صبح و شام سے نکلا
اس پرانے نظام سے نکلا

کیا سناؤں تمھیں ارم کیا ہے    خاتمِ آرزوئے دیدہ و گوش
شاخِ طوبیٰ پہ نغمہ ریز طیور    بے حجابانہ حور جلوہ فروش
ساقیانِ جمیل جام بدست    پینے والوں میں شورِ نوشا نوش
دور جنت سے آنکھ نے دیکھا    ایک تاریک خانہ سرد و خموش
طالعِ قیس و گیسوئے لیلیٰ    اس کی تاریکیوں سے دوش بدوش
خنک ایسا کہ جس سے شرما کر    کرۂ زمہریر ہو رو پوش
میں نے پوچھی جو کیفیت اس کی    حیرت انگیز تھا جواب سروش
یہ مقامِ خنک جہنم ہے    نار سے ، نور سے تہی آغوش
شعلے ہوتے ہیں مستعار اس کے    جن سے لرزاں ہیں مردِ عبرت کوش
اہلِ دنیا یہاں جو آتے ہیں
اپنے انگارے ساتھ لاتے ہیں

## معنی اور اشارے:

| | |
|---|---|
| تخیل | خیالی تصویر بنانا |
| چرخ | آسمان |
| ارم | جنت |
| دیدہ و گوش | آنکھ کان |
| نغمہ ریز | چہچہاتے ہوئے |
| طیور | پرندے |
| خنک | ٹھنڈا |
| کرۂ زمہریر | بہت ٹھنڈا مقام |
| روپوش | چھپنا |
| تہی | خالی |
| مستعار | مانگا ہوا، ادھار |
| لرزاں | کانپنا |
| عبرت کوش | سبق لینا، باخبر ہونا |

## معروضی سوالات:

1۔ اقبالؔ کس کے شاگرد تھے؟

(i) میرؔ (ii) داغؔ

(iii) دردؔ (iv) امیرؔ مینائی

2۔ 1899ء میں اقبالؔ نے انجمن حمایت اسلام کے جلسہ میں کون سی نظم پڑھی؟

(i) شعاعِ اُمید (ii) جگنو

(iii) نالۂ یتیم (iv) ہمالہ

4۔ ''بچے کی دعا'' کس کی نظم ہے؟

(i) حالیؔ (ii) نظیرؔ

(iii) اقبالؔ (iv) جوشؔ

## مختصر ترین سوالات:

1۔ 'ہمالہ' نظم کس شاعر کی ہے؟

2۔ علامہ اقبالؔ کہاں پیدا ہوئے؟

3۔ علامہ اقبالؔ کی وفات کس سنہ میں ہوئی؟

## مختصر سوالات:

1۔ علامہ اقبالؔ کی چند مشہور نظموں کے نام لکھیے۔

2۔ علامہ اقبالؔ کے حالات زندگی کا مختصر تعارف لکھیے۔

3۔ نظم ''بچے کی دعا'' کے ابتدائی چار اشعار لکھیے۔

## تفصیلی سوالات:

1۔ 'سیر فلک' نظم میں علامہ اقبال نے کس کہانی کو پیش کیا ہے؟

2۔ علامہ اقبالؔ کی نظم نگاری کی بنیادی خصوصیات کیا ہیں؟

3۔ 'سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا' پورا لکھیے۔

# (4)

# جوشؔ ملیح آبادی

[پیدائش 1897ء، وفات 1982ء]

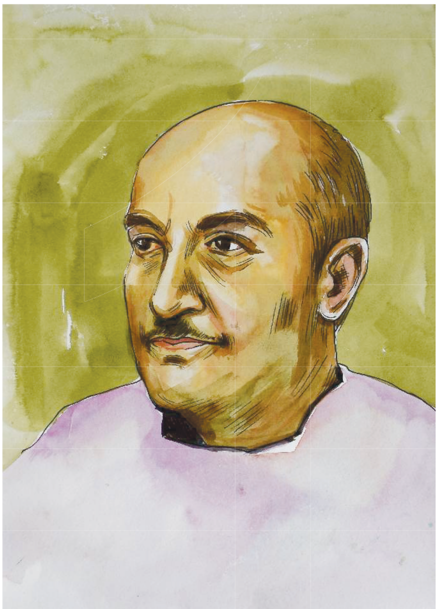

شبیر حسن نام اور جوشؔ تخلص تھا۔ 1897 میں ملیح آباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم روایتی انداز میں ہوئی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد حیدر آباد چلے گئے اور وہاں علامہ اقبالؔ کی سفارش پر عثمانیہ یونیورسٹی کے دارالترجمہ میں ملازمت مل گئی۔ دس سال کے بعد وہاں کے نواب نے اُنھیں ملک بدر کر دیا اور آپ دلی چلے آئے۔ دہلی میں آپ نے رسالہ ''کلیم'' جاری کیا جو کہ مقبول نہ ہوسکا۔ کچھ دنوں ''آج کل'' کے بھی مدیر رہے۔ جوشؔ کی وفات 1982ء میں پاکستان میں ہوئی۔

جوشؔ ایک زمیندار خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ حسن پرستی، خود پسندی، انانیت جیسی جاگیردارانہ نظام کی

عادات وخصلات آپ کو وراثت میں ملی تھیں۔ ان کا اثر اُن کی شاعری میں واضح طور پر نظر آتا ہے۔ اُن کی حسن پرستی نے اُنھیں شاہکار عشقیہ نظمیں لکھنے پر اُکسایا اور اُن کی انقلاب پسند فکر نے باغیانہ نظمیں لکھنے کی طرف راغب کیا۔

جوشؔ کی شہرت کا باعث اُن کی نظمیں ہیں۔ اُن کے کلام کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ جس میں 'روحِ ادب'، 'نقش ونگار'، 'شعلہ وشبنم'، 'عرش وفرش'، 'جنون وحکمت' وغیرہ خاصی طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ جوش کو ان کی خودنوشت ''یادوں کی بارات'' سے بہت زیادہ شہرت اور مقبولیت نصیب ہوئی۔ اور اُن کی مشہور نظموں میں برسات کی شفق، برسات کی ایک شام، نغمہ سحرا، بدلی کا چاند، کلیوں کی بیداری، البیلی صبح، فتنہ خانقاہ، برسات کی شام، حسن ومزدوری، کسان وغیرہ اردو شاعری کی دنیا میں ایک اہم مقام رکھتی ہیں۔

عام طور پر جوشؔ ملیح آبادی شاعرِ انقلاب مشہور ہیں جیسا کہ وہ خود اعلان کرتے ہیں:

کام ہے میرا تغیر، نام ہے میرا شباب
میرا نعرہ انقلاب و انقلاب و انقلاب

مناظر فطرت کو بھی جوش نے بڑی مہارت، خوبصورتی اور روانی سے بیان کیا ہے۔ مثلاً صبح کا منظر دیکھیے:

نظر جھکائے عروسِ فطرت جبیں سے زلفیں ہٹا رہی ہے
سحر کا تارا ہے زلزلے میں، افق کی لو تھرتھرا رہی ہے

کیا ہند کا زنداں کانپ رہا ہے، گونج رہی ہیں تکبیریں
اکتائے ہیں شاید کچھ قیدی اور توڑ رہے ہیں زنجیریں

جوشؔ نے اپنی نظموں کو نئی زندگی اور تابناکی سے سرشار کرنے کے ساتھ خطابت کی بلند آہنگی سے بھی مالا مال کیا ہے۔ جوشؔ نے سماج کے ہر طبقے کے لیے شاعری کی اور ہر طبقے کے لیے جداگانہ زبان اور عام فہم اور موزوں الفاظ استعمال کیے ہیں۔

نظم 'البیلی صبح': میں شاعر قدرت کی عکاسی کرتے ہوئے انگریزی شاعر ورڈس ورتھ کی بھی بات کر رہے ہیں۔ صبح کی خوبصورتی کو اتنے اچھے تمثیلی پیرایہ میں پیش کیا ہے کہ اردو شاعری میں شاذ و نادر ہی ایسی عمدہ نظم ملے گی۔

# البیلی صبح

نظر جھکائے عروسِ فطرت ، جبیں سے زلفیں ہٹا رہی ہے
سحر کا تارا ہے زلزلے میں ، افق کی لو تھرتھرا رہی ہے

روش روش نغمۂ طرب ہے ، چمن چمن جشنِ رنگ و بو ہے
طیور شاخوں پہ ہیں غزل خواں ، کلی کلی گنگنا رہی ہے

ستارۂ صبح کی رسیلی جھپکتی آنکھوں میں ہیں فسانے
نگارِ مہتاب کی نشیلی نگاہ جادو جگا رہی ہے

طیور بزمِ سحر کے مطرب ، لچکتی شاخوں پہ گا رہے ہیں
نسیم فردوس کی سہیلی ، گلوں کو جھولا جھلا رہی ہے

کلی پہ بیلے کی کس ادا سے پڑا ہے شبنم کا ایک موتی
نہیں یہ ہیرے کی کیل پہنے کوئی پری مسکرا رہی ہے

سحر کو مدِّ نظر ہیں کتنی رعایتیں چشمِ خوں فشاں کی
ہوا بیاباں سے آنے والی ، لہو میں سرخی بڑھا رہی ہے

شلوکا پہنے ہوئے گلابی ، ہر اک سبک پنکھڑی چمن میں
رنگی ہوئی سرخ اوڑھنی کا ہوا میں پلو سکھا رہی ہے

فلک پہ اس طرح چھپ رہے ہیں، ہلال کے گرد و پیش تارے
کہ جیسے کوئی نئی نویلی جبیں سے افشاں چھڑا رہی ہے

کھٹک یہ کیوں دل میں ہو چلی پھر؟ چٹکتی کلیو! ذرا ٹھہرنا
ہوائے گلشن کی نرم رو میں ، یہ کس کی آواز آ رہی ہے

## معنی اور اشارے:

| | |
|---|---|
| عروس | دلھن |
| فطرت | قدرت |
| نغمہ | موسیقی، گیت |
| طرب | خوشی (نغمۂ طرب: خوشی کا گیت) |
| طیور | پرندے |
| مہتاب | چاند |
| مطرب | خوش کرنے والا، گانے والے |
| فردوس | جنت |
| سحر | صبح |
| چشم خوں فشاں | خون برسانے والی آنکھیں |
| فلک | آسمان |
| سبک | نازک |

## معروضی سوالات:

1۔ جوشؔ کا اصل نام کیا تھا؟

(i) کلیم الدین (ii) شبیر حسن

(iii) نورالحسن (iv) احمد حسن

2۔ جوشؔ کس رسالے کے مدیر رہے؟

(i) شمع (ii) اردو دنیا

(iii) آج کل (iv) شاعر

3۔ جوشؔ کا مجموعۂ کلام کون سا ہے؟

(i) نقش ونگار (ii) نقش فریادی

(iii) آہنگ (iv) بال جبریل

4۔ ''البیلی صبح''، نظم کس کی ہے؟

(i) اقبالؔ (ii) نظیرا کبرآبادی

(iii) اکبرالہ آبادی (iv) جوش ملیح آبادی

## مختصر ترین سوالات:

1۔ جوشؔ کہاں پیدا ہوئے؟

2۔ 'یادوں کی بارات' کس کی خودنوشت ہے؟

3۔ نظم 'کسان' کس شاعر کی نظم ہے؟

4۔ 'شعلہ وشبنم' کس شاعر کا شعری مجموعہ ہے؟

## مختصر سوالات:

1۔ نظم 'کسان' میں جوش نے کس کی تعریف کی ہے؟

2۔ جوشؔ کی نظم 'البیلی صبح' کے کسی دوشعر کی تشریح کیجیے؟

## تفصیلی سوالات:

1۔ جوشؔ ملیح آبادی کے اسلوب کی خصوصیات بیان کیجیے۔

2۔ نظم ''البیلی صبح'' کا خلاصہ بیان کیجیے۔

# (5)
# احسانؔ دانش

[پیدائش 1914ء، وفات 1982ء]

اصل نام احسان الحق اور احسانؔ تخلص تھا۔ ان کے والد قاضی دانش علی میرٹھ ضلع کے باغپت کے رہنے والے تھے۔ باپ کی نسبت سے احسان دانش کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کے والد نے کچھ دنوں بعد کاندھلہ ضلع مظفر نگر میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ یہیں پر 1914ء میں دانش کی پیدائش ہوئی۔ غربت کی وجہ سے بہتر تعلیم نہ ہوسکی۔ بچپن سے روزی روٹی کی فکر دامن گیر تھی۔ طرح طرح کی ملازمتیں کرنی پڑیں۔ مزدوری، معماری، باغبانی، پہرے داری جیسے کام کرکے زندگی بسر کی۔ ان حالات میں بھی انھوں نے کتابوں سے اپنا رشتہ نہیں توڑا اور جو وقت ملتا کتب بینی میں صرف کرتے۔ اسی درمیان گیلانی بک ڈپو میں بیس روپیہ ماہوار پر ملازمت شروع کی اور اپنا ذاتی کتب خانہ بھی قائم کرلیا۔ جو ''مکتبہ دانش'' کے نام سے لاہور کے محلے نر نگ میں واقع تھا۔ 1982ء میں لاہور میں ہی ان کی وفات ہوئی۔

احسانؔ دانش اس وقت شاعری کررہے تھے جب وہ ریلوے کے دفتر میں چپراسی تھے۔ یہ بھی دلچسپ بات ہے کہ ان کا کوئی باقاعدہ استاد نہ تھا جس سے شاعری کے فن اور اس کے رموز ونکات کی باریکی سیکھ سکیں۔ جو بھی شعری صلاحیت پیدا ہوئی وہ کتب بینی سے ہی ہوئی۔ شاعری کے بارے میں ان کا ایک خاص نقطۂ نظر ہے۔ وہ اس کے معاشرتی پہلو کو بہت اہم سمجھتے ہیں اور شاعری کو زندگی کے قریب کرکے اس کے مسائل کا عکس پیش کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ادب برائے ادب کے بجائے ادب برائے زندگی کے قائل ہیں۔ ان کی نظر میں جذبات وخیالات اور واقعات کو عام فہم اردو میں پیش کرنا چاہتے تھے تاکہ خواص کے ساتھ عوام بھی استفادہ کرسکیں۔ ردیف وقافیہ کی پابندی ان کے نزدیک لازمی ہے۔ وہ

ہندی کے غیر مانوس الفاظ استعمال نہیں کرتے۔ دانش کی نظر میں میر تقی میرؔ، مرزا غالبؔ اور فانیؔ اہم ہیں۔ میر انیس کے بھی وہ مداح تھے۔ کچھ لوگ انھیں ترقی پسند شاعر سمجھتے ہیں۔ ترقی پسند حضرات انھیں اپنے زمرے میں رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ احسان نے زندگی سے بہت کچھ سیکھا۔ ان کا ذہن بھی انقلابی ہے۔ طبقاتی کشمکش سے بیزار مروجہ نظام حکومت کے سخت خلاف اور عدم مساوات سے دکھی نظر آتے ہیں۔ ان کی نظر میں شعر و ادب زندگی سے نبرد آزما کا نام ہے لیکن ان تمام امور کے باوجود احسان شاعری کو موسیقی سے ہمکنار رکھنے میں لذت محسوس کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کے یہاں بے ساختگی کے ساتھ ساتھ نغمگی اور ترنم کا احساس ہوتا ہے۔ احسان دانش نے نظم، غزل کے علاوہ شخصی مرثیے بھی لکھے ہیں۔ خصوصاً تاجور نجیب آبادی کے بیٹوں کی وفات پر ان کا مرثیہ بڑا پر اثر ہے۔

احسانؔ دانش کی تصانیف میں ''نوائے کارگر''، ''چراغ آتش خاموش''، ''جادہ نو''، ''زخم مرہم''، ''مقامات''، ''گورستان''، ''شیرازہ''، ''دستورِ اردو''، ''حضرِ عروض''، ''روشنی''، اور ''طبقات'' وغیرہ مقبول تصانیف ہیں۔

زیرِ درس سبق ''وادی کشمیر کی ایک صبح'' احسانؔ دانش کے مجموعہ کلام ''نوائے کارگر'' سے ماخوذ ہے۔ اس نظم میں احسان دانش نے کشمیر کی خوبصورت وادی کی صبح کا نقشہ کھینچا ہے۔ صبح کا منظر، کہسار، گھاٹی، جھرنے اور برف سے ڈھکی چادر کا پر کیف منظر کچھ اس انداز سے پیش کیا ہے کہ دل کو موہ لیتا ہے۔

# وادیِ کشمیر کی ایک صبح

(یہ نظم احسان صاحب کے مجموعہ کلام ''نوائے کارگر'' سے منتخب کی گئی ہے)

کہسار کو سحر کا پیغام مل رہا ہے
ہر پھول ہنس رہا ہے ہر غنچہ کھل رہا ہے
اتری ہیں نرم کرنیں کلیوں کو گدا گدانے
چشموں میں جاگ اٹھے سوئے ہوئے ترانے
تاریک گھاٹیوں میں تنویر بٹ رہی ہے
جلووں کی پاک دیوی آنچل الٹ رہی ہے
مژدہ سحر کا پا کر سر سے اتار ڈالے
پیڑوں نے تیرگی کے اوڑھے ہوئے دوشالے
گلزار زاویوں کے مکھڑے نکھر رہے ہیں
دھندلی ترائیوں میں جلوے بکھر رہے ہیں
بربط اٹھا لیے ہیں شاخوں نے گنگنا کر
نظریں اٹھا رہے ہیں ذرّات مسکرا کر
کس درجہ دل ربا ہے یہ خنکیوں کی بستی
پستی میں نازِ رفعت ، رفعت میں عجزِ پستی
سردی سے کپکپاتا سورج نکل رہا ہے
ٹھنڈی پہاڑیوں پر سونا پگھل رہا ہے
کرنوں کے تاج پہنے جھونکے جو آ رہے ہیں
بھیگے ہوئے مناظر دامن سکھا رہے ہیں
جھیلم مری نظر کے دامن میں بہہ رہا ہے
سنگین پیچ و خم کا افسانہ کہہ رہا ہے
جنبش میں آ رہی ہیں امواج کی زبانیں
غلطاں ہیں جن میں لاکھوں سیّال داستانیں
محفل میں پتھروں کی لہرا رہا ہے پانی
چشموں میں بہہ رہی ہے کہسار کی جوانی
آباد ہے نظر میں فردوس خندہ ساماں
دوشیزگی کی گلیاں پاکیزگی کے ایواں
چشمے اتر اتر کر دریا میں آ رہے ہیں
گا گا کے مل رہے ہیں مل مل کے گا رہے ہیں

دل بے نیازیوں سے مانوس ہو رہا ہے
میں مر چکا ہوں ایسا محسوس ہو رہا ہے

## معنی اور اشارے:

| | |
|---|---|
| کہسار | پہاڑی علاقہ |
| تنویر | روشنی، نور |
| بربط | ایک قسم کا ساز ''بط''، یعنی بطخ کے سینے کی طرح ہوتی ہے |
| رفعت | بلندی، عروج |
| جنبش | حرکت، ہلچل، زلزلہ، گردش، رفتار، چال |
| غلطاں | لڑکھڑاتا ہوا، بے تاب، پریشان، ڈوبا ہوا |
| سیال | بہنے والا رقیق |
| فردوس | بہشت، جنت، خُلد |
| خندہ | مسکراہٹ، تبسم |
| دوشیزگی | کنوارہ پن |

## معروضی سوالات:

1۔ احساؔن دانش کا اصل نام کیا تھا؟

(i) انوارالحق (ii) امیرالحق

(iii) احسان الحق (iv) شمس الحق

2۔ احساؔن دانش کب پیدا ہوئے؟

(i) 1814 (ii) 1914

(iii) 1714 (iv) 2014

3۔ احسانؔ دانش کے والد کا کیا نام تھا؟

(i) قاضی دانش علی (ii) قاضی وارث علی

(iii) قاضی کاظم علی (iv) قاضی اکبر علی

4۔ ''نوائے کارگر'' مجموعۂ کلام کس شاعر سے منسوب ہے؟

(i) احسان دانش (ii) علی سردار جعفری

(iii) فیض احمد فیض (iv) اکبرالہ آبادی

5۔ احسانؔ دانش کی وفات کب ہوئی؟

(i) 1682 (ii) 1782

(iii) 1882 (iv) 1982

## مختصر ترین سوالات:

1۔ احسانؔ دانش کی وفات کب اور کہاں ہوئی؟

2۔ احسانؔ دانش کے تصانیف کے نام لکھیے؟

## مختصر سوالات:

1۔ احسانؔ دانش کے حالات زندگی پر مختصر نوٹ لکھیے۔

2۔ احسانؔ دانش کی نظم نگاری کا جائزہ لیجیے۔

## تفصیلی سوالات:

1۔ احسانؔ دانش کی شاعری کی کیا خوبیاں ہیں۔ تفصیلی نوٹ لکھیے۔

2۔ نظم 'وادیِ کشمیر کی ایک صبح' کا خلاصہ اپنی زبان میں تحریر کیجیے۔

3۔ احسانؔ دانش 'ادب برائے زندگی کے قائل ہیں' اس پر اپنے خیالات کا اظہار کیجیے۔

# (6)

# صفی لکھنوی

[پیدائش 1862ء، وفات 1950ء]

صفی لکھنوی کا پورا نام سیّد علی نقی زیدی تھا۔ شاعری میں صفی تخلّص استعمال کرتے تھے۔ ان کی پیدائش 3/جنوری 1862ء میں لکھنؤ میں ہوئی۔ ان کے والد کا نام سیّد فضل حسین تھا جو آخری تاجدارِ اودھ کے بھائی شاہزادہ سلیمان قدر بہادر کے اتالیق اور معتمد تھے۔ صفی لکھنوی نے مختلف علوم وفنون میں مہارت حاصل کی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے اور علم طب مشہور حکیم سید باقر حسین سے سیکھا۔ مولوی نجم الدین کاکوروی صاحب سے فارسی کا درس اور مولوی احمد علی سے عربی کا درس حاصل کیا۔ عمر کے دسویں بارہویں سال میں درسیات عربی فارسی سے فراغت حاصل کر امین آباد نائٹ اسکول اور کیننگ کالجیٹ اسکول لکھنؤ میں انٹرنس تک انگریزی تعلیم حاصل کی۔ 1879ء میں انگریزی تعلیم کا سلسلہ منقطع ہونے پر لال اسکول لکھنؤ اور برنچ اسکول متعلقہ کیننگ کالج میں انگریزی تعلیم دینے پر معمور ہوئے۔ تدریس وتعلیم کے علاوہ محکمۂ دیوانی میں مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ سلطان پور، رائے بریلی، کنڈہ، پرتاپ گڑھ میں اپنی خدمات انجام دیں۔ بالآخر 1921ء میں ججی خفیہ لکھنؤ کے عہدہ سرشتہ داری سے پنشن لی۔ صفی لکھنوی نے 13/سال کی عمر سے ہی شاعری کا آغاز کیا۔ فنِ عروض کا گہرا مطالعہ کر اس میں مہارت حاصل کی یہی وجہ ہے کسی شخص کی شاگردی سے گریز کیا۔ انھوں نے غزل، نظم، قصیدہ، رباعی، مخمس وغیرہ میں طبع آزمائی کی۔ وہ اردو کے استاد شاعر تھے۔ انھوں نے ''رباعیات عمر خیام'' کا منظوم ترجمہ کر اردو خزانے میں بیش بہا اضافہ کیا۔

صفی صاحب تاحیات لکھنؤ کے غزل گو شعرا کی مشہور ادبی انجمن ''معیار و بہار ادب'' کے صدر رہے اور زبان وفن

کی تراش خراش کرتے رہے۔ ان کی نظموں کا مجموعہ ''صحیفۃ القوم'' اور ''لخت جگر'' منظر عام پر آ چکے ہیں۔ اس کے علاوہ مکاتیب صفی، جواہر مہرہ اور ہفتخوانِ اردو وغیرہ ان کی مشہور تصانیف ہیں۔

صفیؔ لکھنوی تاحیات زبان و ادب کی خدمت کرتے رہے۔ پے در پے چار لڑکیوں کی موت نے انھیں رنجیدہ اور نحیف بنا دیا۔ 24/ جون 1950 کو لکھنؤ ہی میں آخری سانس لی اور راجہ نواب علی کے مقبرے کے صحن میں سپرد خاک ہوئے۔

# بہار

قابلِ دید ہے سر سبزیِ ایّامِ بہار　　مل گیا سبزۂ خوابیدہ کو پیغامِ بہار
ساغرِ گُل کہ چھلکتا ہے کوئی جامِ بہار　　ہو گیا چار طرف نامِ خدا نامِ بہار
آسماں سبز ، زمیں سبز ، در و بام ہیں سبز
اثرِ پرتوِ مینا سے خطِ جام ہیں سبز
عارضِ گل پہ صفی دوڑ گیا رنگِ بہار　　کوئی غنچے کے سوا اب نہیں دل تنگ بہار
ٹہنیاں جن میں نہ ہوں پھول ہیں وہ ننگِ بہار　　تختۂ صحنِ چمن تختۂ ارژنگِ بہار
گوشے گوشے میں ہزاروں ہی تو ہیں گل بوٹے
لطف ناز و نگہِ شوق کہاں تک لوٹے
دیکھ کر جلوۂ آرائشِ کاشانۂ گل　　بلبلیں ہوگئیں سو جان سے دیوانۂ گل
جنبشِ شاخ سے وہ جلوۂ مستانۂ گل　　مئے شبنم سے چھلکتا ہوا پیمانۂ گل
کوئی ساقی ہے نظر گو وہ نہیں آتا ہے
جام پر جام جو گل بن کو دیے جاتا ہے
بزم مرغانِ چمن اوّلِ شب سے شاخیں　　وجد میں جھومتی ہیں جوشِ طرب سے شاخیں
جھکی پڑتی ہیں نزاکت کے سبب سے شاخیں　　یا زمیں بوس ہیں یہ فرطِ ادب سے شاخیں
جس قدر ٹہنیوں میں تیز ہے سبزی دیکھو
اس سے بڑھ کر کہیں گل ریز ہے سبزی دیکھو

دیکھیے فلسفیانہ تو نباتات کا جوش　　پیکرِ روحِ نباتی میں ہے ذرّات کا جوش
ہر طرف جوشِ بہار اور یہ برسات کا جوش　　اف کسی حسنِ خود آرا کے خیالات کا جوش

یہ سلیقہ کہیں نیچر کو تھا گل کاری میں
کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

تھے نہاں خاک کے پردے میں جواب تک اسرار　　سب نمودار ہوئے بن کے وہی نقش و نگار
جس طرف آنکھ اٹھاؤ نظر آتی ہے بہار　　چشمۂ آبِ رواں عکس فروشِ گل زار

آبشاروں نے بلندی پہ جڑے آئینے
قدِّ آدم سے بھی کچھ اور بڑے آئینے

باغ کے بیچ میں پر لطف عجب نظّارے　　نور کا حوض چمن نور کے سب فوارے
قطرے پانی کے چمکتے ہوئے یا سیّارے　　یہی ہوتا ہے گماں ڈوب رہے ہیں تارے

پانی لیتے ہیں خزانوں کو گہر دیتے ہیں
جوش ہمت کی نگاہوں کو خبر دیتے ہیں

## معنی اور اشارے:

| | |
|---|---|
| ایّام بہار | بہار کے دن |
| خوابیدہ | سویا ہوا |
| ساغر | شراب کا پیالہ |
| پرتو | عکس، پرچھائیں |
| عارض | رخسار، گال |
| غنچہ | کلی |
| کاشانہ | مکان، گھر |
| طرب | خوشی، شادمانی |
| فرط | کثرت، غلبہ |
| نباتات | پودے، سبزیاں |
| زنگاری | ہرے رنگ کا، سبز |
| عکس | پرچھائیں |
| آبشار | جھرنا |
| گہر | موتی |

## معروضی سوالات:

1۔ صفی لکھنوی کا اصل نام کیا تھا؟

(i) سید علی نقی زیدی (ii) سید علی نقوی

(iii) نورالحسن نقوی (iv) سید فضل اللہ

2۔ صفی لکھنوی نے کس کی رباعیوں کا منظوم ترجمہ کیا؟

(i) جوش (ii) اقبال

(iii) فراق (iv) عمر خیام

3۔ صفی لکھنوی لکھنؤ کی کس ادبی انجمن کے صدر رہے؟

(i) معیار و بہار ادب (ii) ادبستان

(iii) ادبی محفل (iv) روح ادب

4۔ ''صحیفۃ القوم'' کس کا مجموعۂ کلام ہے؟

(i) احسان بن دانش (ii) صفی لکھنوی

(iii) سیماب اکبرآبادی (iv) جوش

5۔ لفظ ''گہر'' کے کیا معنی ہیں؟

(i) پانی (ii) بادل

(iii) موتی (iv) ہوا

## مختصر ترین سوالات:

1۔ صفی لکھنوی کے والد کا کیا نام تھا؟

2۔ صفی لکھنوی نے انگریزی تعلیم کہاں سے حاصل کی؟

3۔ صفی لکھنوی نے کس سنہ سے شاعری کا آغاز کیا؟

4۔ صفی لکھنوی نے علم طب کس سے سیکھا؟

## مختصر سوالات:

1۔ صفی لکھنوی نے کن فنون میں تعلیم حاصل کی؟

2۔ 'نظم بہار' کے مندرجہ ذیل بند کا خلاصہ لکھیے۔

دیکھیے فلسفیانہ تو نباتات کا جوش پیکر روح نباتی میں ہے ذرات کا جوش

ہر طرف جوش بہار اور یہ برسات کا جوش اف کسی حسن خود آرا کے خیالات کا جوش

یہ سلیقہ کہیں نیچر کو تھا گل کاری میں

کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

3۔ ''صحیفۃ القوم'' اور ''لخت جگر'' کس صنفِ سخن کا مجموعہ ہے؟ اور اس میں کون کون سی نظمیں شامل ہیں۔

## تفصیلی سوالات:

1۔ نظم بہار کا خلاصہ تحریر کیجیے۔

2۔ صفی لکھنوی کی ادبی خدمات کا جائزہ لیجیے۔

# (7)
# سیماب اکبرآبادی

[پیدائش 1882ء، وفات 1951ء]

سیماب اکبرآبادی کا اصل نام شیخ عاشق حسین صدیقی تھا۔ ان کی ولادت 5/جون 1882ء کو اکبرآباد (آگرہ) میں ہوئی۔ ان کے والد شیخ محمد حسین صدیقی عالم دین اور واعظ و نعت خواں تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور کچھ ہی دنوں میں قرآن و حدیث سے اچھی واقفیت ہوگئی۔ لیکن عصری تعلیم کے لیے ان کے والد نے ان کا داخلہ اجمیر کے انگریزی اسکول میں کرا دیا۔ کچھ دنوں بعد والد کے انتقال ہونے کی وجہ سے انھوں نے کالج چھوڑ دیا۔ اور پھر عربی اور فارسی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ بچپن ہی سے فطری موزونیت اور شعری میلان کے سبب انھیں زمانۂ طالب علمی ہی میں زبان و بیان اور عروض پر خاصہ عبور حاصل ہو گیا تھا اور وہ امتحانات میں پوچھے گئے سوالات کے جواب بھی منظوم لکھتے تھے۔ 1898ء میں سیمابؔ نے داغ دہلوی سے تلمذ حاصل کیا اور جلد ہی ان کی شہرت دور دراز کے علاقے تک پہنچ گئی۔ سیمابؔ اکبرآبادی نے تقریباً سبھی مروجہ اصناف ادب میں طبع آزمائی کی اور 300 سے زائد کتابیں تصنیف و تالیف کیں۔ وہ نظم کو غزل پر فوقیت دیتے تھے اور نظم میں ہیئت کے کئی تجربے بھی کئے۔ وہ بلاشبہ جدید اردو نظم کے بنیاد گزاروں میں تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کی نظموں کے مقابلے غزلوں کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔

ان کی تصانیف میں وحیِ منظوم، الہامِ منظوم، کلیم عجم، سدرۃ المنتہیٰ، لوحِ محفوظ، نیستاں، کارامروز، ساز و آہنگ، شعر انقلاب، عالم آشوب، نفرِ غم، سرود غم، راز عروض اور دستور الاصلاح شامل ہیں۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ قرآن مجید کا مکمل منظوم ترجمہ ''وحیِ منظوم'' ہے۔ کراچی میں ادبی سرگرمیوں کا سلسلہ جاری تھا کہ اچانک ان پر فالج کا شدید حملہ ہوا اور وہ 31/جنوری 1951ء کو اس دنیا کو لبیک کہہ کر مالک حقیقی سے جا ملے۔

زیر درس سبق نظم ''تاج شب تاریخ میں'' سیمابؔ اکبرآبادی کا دوسرا مجموعۂ کلام ''کارامروز'' سے ماخوذ ہے۔ اس نظم میں فلسفیانہ زندگی اور حقائق و معارف کے نکات پیش کئے گئے ہیں۔

# تاج شب تاریک میں

رات آئی پردۂ تاریک پھیلاتی ہوئی جلوۂ شام و شفق کے ساتھ اتراتی ہوئی
حکمرانی ہو گئی ظلمت کی دشت و باغ پر روشنی سمٹی ہر اک گوشے سے شرماتی ہوئی
ناگہاں مغرب سے اک خاموش تاریکی بڑھی جگنوؤں کے روپ میں تارے سے چمکاتی ہوئی
جل اٹھیں شمعیں کہ عالم میں اندھیرا ہو گیا
اور پروانوں کی دنیا میں سویرا ہو گیا
اک اُداسی ہر جگہ ہر چیز پر طاری ہوئی عالمِ اجسام میں مرنے کی تیاری ہوئی
خواب نے انگڑائیاں لیں ، لی جماہی کسل نے انجمن میں بے خودی کی گرم بازاری ہوئی
اک نقابِ جلوہ دشمن میں مناظر چھپ گئے حسن کو بارِ تماشا سے سبک ساری ہوئی
غرق اک سیّال مستی میں زمانہ ہو گیا
ہو گیا غافل مُصوِّر ، اور شاعر سو گیا
ہاں مگر اک ''تاج'' ہے اس وقت لعلِ شب چراغ نور اس کا ہے نمایاں بجھ گئے ہیں سب چراغ
چاند سے گنبد کے ، پیدا ہے طلائی روشنی پھول کے معنی تجلّی ، غنچے کا مطلب چراغ
لاؤ تابانی میں اس کی اس کا عالم دیکھ لیں کون اب فانوس مانگے کون ڈھونڈھے اب چراغ
اس کے سائے میں گیاہِ سبز نخلِ طور ہے
زندگی اس کے اندھیرے میں ہمیں منظور ہے
شمع بن کر حوض میں اس کے شگفتہ ہیں کنول چاندنی کا پھول ہے گویا شبِ مہ کا بدل

خلوت سبزہ میں ہیں جگنو چراغان بہار نسترین و نسترن کا ہر روش پر ہے عمل
اس کا عکس مرمریں ماحول پر ہے نوربار جب ادھر دیکھا تو گویا آفتاب آیا نکل
ہر روش پر زندگی کے مرتسم عنوان ہیں
تاج کی تو رات میں بھی صبح کے سامان ہیں
''تاج'' اک موتی ہے، موتی نور کا جویا نہیں ''تاج'' اک تارا ہے، تارا خواب کا تشنا نہیں
رات دن بیدار ، پر انوار ، سرشارِ بہار ''تاج'' ہے اک چاند قسمت چاند کو سونا نہیں
پردۂ تاریک شب غالب ہو اس پر کس طرح ''تاج'' اک سورج ہے، اور سورج کبھی چھپتا نہیں
ہیں جو ظلمت جذب کر لینے کے جوہر ''تاج'' میں
نور بن جاتی ہے خود بھی رات آ کر ''تاج'' میں
تاج منہ سے بولتا ہے ساری دنیا ہے خموش تاج اب تک ہے درخشاں تاج والا ہے خموش
رات کو آ ''تاج'' میں اور نغمۂ اسرار سن گلستانِ ''تاج'' کا گو پتّا پتّا ہے خموش
کوئی سن سکتا ہے سب کچھ اور کوئی کچھ نہیں ذرّہ ذرّہ نغمہ گو ہے ، ذرّہ ذرّہ ہے خموش
ساری دنیا سو رہی ہے ''تاج'' جلوہ بار ہے
مادّیت خواب میں ، روحانیت بیدار ہے

## معنی اور اشارے:

| | |
|---|---|
| دشت | غیر آباد علاقہ، جنگل یا میدان |
| کسل | سُستی، کاہلی، بیکاری |
| بے خودی | بے خبری، بیہوشی |
| پرانوار | بہت روشنی |
| نسترین ونسترن | ایک قسم کا گلاب جس کے پھول بہت خوشبودار اور سفید ہوتے ہیں۔ |
| مرتسم | نقش بنانے والا، لکھنے والا جو ہر شخص کی سمجھ میں نہ آئے۔راز کی باتیں |
| نغمۂ اسرار | کلام کی باریکیاں |
| نخل | درخت، شجر، پیڑ |

## معروضی سوالات:

1۔ سیماب اکبرآبادی کا سنۂ پیدائش کیا ہے؟

(i) 1882ء (ii) 1890ء

(iii) 1850ء (iv) 1870ء

2۔ سیماب اکبرآبادی نے کس استاد شاعر سے اپنا تعلق قائم کیا؟

(i) غالبؔ (ii) اقبالؔ

(iii) داغؔ (iv) حالیؔ

3۔ سیماب اکبرآبادی کے شعری مجموعے کا نام کیا ہے؟

(i) گل نغمہ (ii) آتش گل

(iii) کارجہاں (iv) کارامروز

## مختصر ترین سوالات:

1۔ سیماب اکبرآبادی کا اصل نام کیا ہے؟

2۔ سیماب اکبرآبادی کے والد کا نام بتائیے؟

3۔ سیماب اکبرآبادی نے داغؔ سے کس سنہ میں تلمذ حاصل کیا؟

## مختصر سوالات:

1۔ سیماب اکبرآبادی کی نظم ''تاج شب تاریک میں'' کون سا بند آپ کو پسند ہے؟

2۔ سیماب اکبرآبادی کے والد کے بارے میں آپ کو کیا معلوم ہے۔ مختصراً لکھیے۔

## تفصیلی سوالات:

1۔ سیماب اکبرآبادی کے حالات زندگی اور ان کے ادبی خدمات کا جائزہ لیجیے۔

2۔ درج ذیل بند کی تشریح اپنی زبان میں کیجیے۔

اک اُداسی ہر جگہ ہر چیز پر طاری ہوئی عالم اجسام میں مرنے کی تیاری ہوئی
خوابنے انگڑائیاں لیں ، لی جماہی کسل نے انجمن میں بے خودی کی گرم بازاری ہوئی
اک نقاب جلوہ دشمن میں مناظر چھپ گئے حسن کو بار تماشا سے سبک ساری ہوئی
غرق اک سیّال مستی میں زمانہ ہو گیا
ہو گیا غافل مصور ، اور شاعر سو گیا

# ضمیمہ

# اصناف نثر

## خطوط

ادب میں مکتوب نگاری کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ خط یا مکتوب دو شخصوں کے درمیان رابطے کی تحریری وسیلہ ہے۔ اس میں کوئی شخص اپنے حالات و کیفیات اور افکار و خیالات کو نہایت ہی سادگی اور بے تکلفی کے ساتھ بیان کر کے دوسرے تک پہنچاتا ہے۔ دور دراز کے افراد و اشخاص اپنے عزیزوں، دوستوں اور رشتے داروں کو خط کے ذریعے ہی اپنے حالات سے واقف کراتے تھے اس لیے ہمارے سماج میں اس کا رواج عام تھا اور آج بھی کچھ لوگ خطوط لکھا کرتے ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ خط لکھنا ہماری زندگی کی ضروریات میں شامل ہے لیکن ادیبوں نے جو خطوط لکھے، اُن کی بات ہی الگ ہے۔ ان میں ایک خاص ادبی شان پائی جاتی ہے۔ اردو مکتوب نگاری کی روایت میں ایک اہم نام غالب کا ہے جنھوں مکتوب نگاری کو ادبی مقام عطا کیا۔ عود ہندی اور اردوئے معلّٰی اُن کے خطوط کے مجموعے ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے مجموعۂ خطوط 'غبارِ خاطر' کو بھی مکتوب نگاری کی تاریخ میں کافی اہمیت حاصل ہے۔ آزاد کے خطوط کے اسلوب اور اُن کی مخصوص لفظیات نے مکتوباتی ادب میں ایک قسم کی جدّت پیدا کر کے مکتوب نگاری کی روایت کو مستحکم بنایا۔ ان کے علاوہ دیگر ادیبوں نے بھی قابل قدر مجموعہ ہائے خطوط اپنی یادگار چھوڑے ہیں۔

# انشائیہ

انشائیہ کے لغوی معنی عبارت کے ہیں۔ اس کو انگریزی میں Light essay کہا جاتا ہے۔ یہ ایک نثری صنف ہے جو بظاہر مضمون سی لگتی ہے، لیکن یہ مضمون سے الگ خصوصیات رکھتی ہے۔ انشائیہ میں مصنف اپنے افکار وخیالات اور تجربات ومشاہدات کو بے تکلف انداز میں پیش کرتا ہے۔ وہ اس میں کہیں کہیں لطیف طنز ومزاح کا بھی سہارا لیتا ہے تا کہ اس کی تحریر دلچسپ ہو جائے۔ اردو میں انشائیہ نگاری کی ابتدا سرسید سے ہوتی ہے۔ انھوں نے مختلف موضوعات پر جو مضامین لکھے ہیں اُن میں سے بعض میں انشائیہ کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ مثلاً 'اُمید کی خوشی' اور 'بحث وتکرار' اُن کے ایسے مضامین ہیں جو انشائیہ کے معیار پر کھرے اترتے ہیں۔ اُن کے علاوہ مولانا محمد حسین آزاد کی کتاب نیرنگ خیال میں بھی انشائیہ نگاری کے نمونے ملتے ہیں۔ سجاد انصاری، مہدی افادی، میر ناصر علی دہلوی، عبد الماجد دریابادی، خواجہ حسن نظامی، مرزا فرحت اللہ بیگ، رشید احمد صدیقی، پطرس بخاری، کنھیا لال کپور، مشتاق احمد یوسفی وغیرہ نے اردو میں انشائیہ نگاری کی روایت کو آگے بڑھایا۔

# ناول

ناول اطالوی زبان کے لفظ (Novella) سے نکلا ہے جس کے معنی نیا کے ہیں۔ یہ ایک نثری صنف ہے اور انگریزی میں اس کے لیے Novel لفظ مستعمل ہے۔ چوں کہ اردو میں اس کا رواج انگریزی ادب کے زیر اثر ہوا اس لیے اردو میں بھی تلفظ کی تحریف کے ساتھ ناوِل ہی کو اپنا لیا گیا۔ ناول میں ایسا قصہ بیان کیا جاتا ہے جو پوری زندگی کا احاطہ کرتا ہے۔ ناول کے اجزائے ترکیبی میں کہانی، پلاٹ، کردار، مکالمہ، زماں و مکاں، اسلوب، نقطۂ نظر اور موضوع وغیرہ شامل ہیں۔ اردو میں ناول نگاری کی ابتدا ڈپٹی نذیر احمد کی کتاب مرآۃ العروس سے ہوتی ہے۔ جو 1869ء میں لکھی گئی۔ انھوں نے اس کے علاوہ بنات النعش، توبۃ النصوح، ابن الوقت وغیرہ ناول لکھے اور ناول نگاری کی روایت کی بنیاد رکھی۔ اُن کے بعد رتن ناتھ سرشار، مرزا ہادی رسوا، راشد الخیری، عبدالحلیم شرر، منشی پریم چند، سجاد ظہیر، قرۃ العین حیدر، عصمت چغتائی، راجندر سنگھ بیدی وغیرہ نے اہم ناول لکھے۔ جدید دور میں بھی قابل ذکر ناول لکھے گئے۔ ابن الوقت، فسانۂ آزاد، امراؤ جاں، فردوس بریں، گئودان، لندن کی ایک رات، آگ کا دریا وغیرہ کا شمار اردو کے بہترین ناولوں میں ہوتا ہے۔

# افسانہ

افسانہ ادب کی ایک نثری صنف ہے۔ اصطلاح میں افسانہ ایسی کہانی کو کہتے ہیں جس کو مختصر وقت میں پڑھا جا سکے۔ اس میں کسی واقعے کا بیان ہوتا ہے۔ اس کے لیے ابتدا، ارتقا اور خاتمے کا ہونا ضروری ہے۔ افسانہ زندگی کے کسی ایک پہلو کی ترجمانی کرتا ہے۔ اختصار، جامعیت اور وحدت تأثر اس کے خاص اوصاف ہیں۔

اردو میں افسانہ نگاری کا آغاز بیسویں صدی کی پہلی دہائی سے ہوتا ہے۔ اوّلین افسانہ نگار کون ہے، اس سلسلے میں محققین کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض نے علامہ راشد الخیری کو، بعض نے سجاد حیدر یلدرم کو اور بعض نے پریم چند کو اردو کا پہلا افسانہ نگار تسلیم کیا ہے، لیکن اکثریت کے نزدیک پریم چند اردو کے پہلے افسانہ نگار ٹھہرتے ہیں۔ ابتدا میں دو طرح کے افسانے لکھے گئے۔ اول حقیقت پسند افسانے اور دوم رومان پسند افسانے، سجاد حیدر یلدرم، سلطان حیدر جوش اور نیاز فتح پوری نے اردو میں رومانی افسانے لکھے اور پریم چند اور ان کے ہم خیال افسانہ نگاروں نے حقیقت پسند افکار و تصورات پر مبنی افسانے تخلیق کیے۔ پریم چند نے افسانہ نگاری میں جو روش اختیار کی وہی حقیقت پسندانہ روش بعد کے افسانہ نگاروں نے بھی اختیار کی۔ 1932ء میں ''انگارے'' نام کی کتاب شائع ہوئی جس کے افسانوں میں فرسودہ خیالات و تصورات، نظریات و معتقدات پر ضرب کاری لگائی گئی۔ اس کے بعد 1936ء میں ترقی پسند دور کا آغاز ہوا اور اس کے تحت کثیر تعداد میں افسانے لکھے گئے۔ اس دور کے افسانہ نگاروں میں کرشن چندر، سعادت حسن منٹو، راجندر سنگھ بیدی، عصمت چغتائی، احمد ندیم قاسمی، اپندر ناتھ اشک، خواجہ احمد عباس، خدیجہ مستور، سہیل عظیم آبادی، غلام عباس وغیرہ کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔ 1960ء کے بعد اردو افسانہ کی ہئیت اور تکنیک میں تبدیلی آئی اور تمثیلی، تجریدی اور علامتی افسانے ظہور میں آئے۔ جس میں مشہور افسانہ نگار قرۃ العین حیدر، انتظار حسین، بلراج مینرا، سریندر پرکاش، انور سجاد، احمد ہمیش، اقبال متین، غیاث

احمد گدی اور دورِ حاضر میں مشرف عالم ذوقی، قاضی عبدالستار، سید محمد اشرف، عبد الصمد، غضنفر اور ترنم ریاض وغیرہ کے نام بڑے ادب سے لیے جاسکتے ہیں۔ افسانہ ادب کی ایک مقبول صنف ہے اور زمانۂ حاضر میں بھی افسانے تخلیق کیے جا رہے ہیں۔

عام طور سے پلاٹ، کردار، مکالمہ، اسلوب اور آغاز و اختتام افسانے کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ لیکن انفرادیت پسند افسانہ نگاروں نے اس کے اجزائے ترکیبی میں بھی جدّت طرازی کا مظاہرہ کرکے فن کے نئے نمونے پیش کیے ہیں۔

# خاکہ

خاکہ کے لغوی معنی ہیں ڈھانچہ بنانا یا مسودہ تیار کرنا۔ ادب میں خاکہ سے مُراد کسی شخصیت کا ہو بہ ہو تحریری عکس ہے۔ یہ ایک غیر افسانوی نثری صنف ہے جس میں کسی شخص کے حقیقی خدوخال کو دلکش انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ یعنی خاکہ میں کسی شخص کے ظاہری اور باطنی دونوں طرح کی خوبیوں اور خامیوں کو دلچسپ پیرائے میں قارئین کے سامنے پیش کیا جاتا ہے جس سے اس کی مکمل تصویر ابھر کر سامنے آجاتی ہے۔ اس کے ابتدائی نقوش قدیم تذکروں میں ملتے ہیں۔ مولانا محمد حسین کی ''آب حیات'' میں شاعروں کے جو حالات پیش کیے گئے ہیں ان میں خاکہ نگاری کے عناصر بھی پائے جاتے ہیں، لیکن اس کا باضابطہ آغاز مرزا فرحت اللہ بیگ سے ہوتا ہے جنھوں نے ڈپٹی نذیر احمد اور پروفیسر وحید الدین سلیم پانی پتی کے خاکے لکھے۔ خواجہ حسن نظامی، مولوی عبدالحق، شاہد احمد دہلوی، رشید احمد صدیقی، مشرف صبوحی، محمد شفیع دہلوی، مرزا محمود بیگ اور شوکت تھانوی وغیرہ اردو کے قابل قدر خاکہ نگار ہیں۔

# قواعد

# Grammar

## علم بیان:

علم بیان کے معنی واضح کرنا اور روشن کرنا کے ہیں۔علم بیان سے مراد وہ علم ہے جو یہ ظاہر کرے کہ کسی مضمون یا معنی کو ادا کرنے کے لیے کون کون سے نت نئے انداز استعمال کئے جاسکتے ہیں۔یعنی کس بات کو کس طرح مختلف طریقوں سے بیان کیا جاسکتا ہے تا کہ جو بات بیان کی جارہی ہے اس میں زور اور اثر پیدا ہو جائے اور ایک معنی دوسرے سے زیادہ واضح اور دل کش ہو۔یعنی ایک ہی مضمون کو ادا کرنے کے لیے متنوع پیرائے بیان کا استعمال کرنا،علم بیان کہلاتا ہے۔علم بیان وہ اصطلاح ہے جس کے ذریعے کسی واقعہ،خیال یا کیفیت کی سچی تصویر پیش کی جائے اور قاری فوراً بیان کرنے والے کی بات کی تہہ تک پہنچ جائے اور اس طرح ابلاغ وترسیل کا مقصد بھی پورا ہو جائے۔بات میں دلچسپی اور تاثر پیدا ہونے کے ساتھ جدت بھی پیدا ہو جائے۔

علم بیان کے بنیادی طور پر چار اقسام ہیں۔

ا۔تشبیہ ۲۔استعارہ ۳۔مجاز مرسل ۴۔کنایہ

تشبیہ کا مجاز کے ساتھ خاص تعلق ہے، کیوں کہ مجاز کی ایک قسم جسے استعارہ کہتے ہیں،تشبیہ ہی سے پیدا ہوتی ہے۔

مجاز میں حقیقی اور مجازی معنوں کے درمیان کوئی رشتہ ضرور ہوتا ہے اگر یہ رشتہ تشبیہ کا ہے تو ایسے مجاز کو استعارہ کہتے ہیں۔

اگر لغوی اور مجازی معنی کے درمیان تشبیہ کے علاوہ کوئی دوسرا رشتہ ہے تو اسے مجاز مرسل کہتے ہیں۔

اگرکسی جگہ مجاز کے ساتھ اصل معنی بھی مراد لیے جاسکیں تو ایسے مجاز کو کنایہ کہتے ہیں۔

**تشبیہ:-** تشبیہ کے معنی باہمی مشابہت، جب کسی مشابہت کے باعث ایک چیز کو دوسری چیز کے مانند قرار دیا جائے ،تو اسے تشبیہ کہتے ہیں۔

جس چیز کو تشبیہ دی جائے ،اسے ''مشبہ'' اور جس چیز سے تشبیہ دی جائے ،اسے ''مشبہ بہ'' کہتے ہیں۔ مشبہ اور مشبہ بہ دونوں مل کر ''طرفین تشبیہ'' کہلاتے ہیں اور اس مشترک وصف کو جس کی بنیاد پر تشبیہ دی جائے۔ اسے ''وجہ شبہ'' کہتے ہیں۔

مثال:

ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے
نازکی اس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

**استعارہ:-** استعارہ کے لغوی معنی ہیں مستعار لینا۔ اصطلاح میں جب کوئی لفظ حقیقی معنوں کے بجائے مجازی معنوں میں استعمال ہو اور حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق موجود ہو، اسے استعارہ کہتے ہیں۔

مثال:

ہیں یاد وہ بے مثال آنکھیں
کیا ہیں تری وہ غزال آنکھیں
کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے
رن ایک طرف چرخِ کہن کانپ رہا ہے

**مجازِ مرسل:-** جب لفظ اپنے حقیقی معنوں کے بجائے مجازی معنوں میں اس طرح استعمال ہو کہ ان کے حقیقی اور

مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق نہ ہو بلکہ اس میں کوئی اور تعلق پایا جائے، اسے مجاز مرسل کہتے ہیں:
مثال:

غمِ ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگِ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

اس کی متعدد قسمیں ہیں۔
کل کہہ کر جز مراد لینا۔
مثال:

جب ہاتھ اس کی نبض پہ رکھا طبیب نے
محسوس یہ کیا کہ بدن میں لگی ہے آگ

**کنایہ:-** کنایہ کے معنی ہیں پوشیدہ بات۔ اس میں استعمال کئے جارہے الفاظ اپنے مروجہ لغوی معنی سے علیٰحدہ مفہوم میں مستعمل ہوتے ہیں۔ لیکن اس التزام کے ساتھ کہ ان کے لغوی معنی بھی مراد لیے جاسکتے ہیں۔ کنایہ کہلاتا ہے۔
مثال:

داغ آنکھوں سے کھل رہے ہیں سب
ہاتھ دستہ ہوا ہے نرگس کا

**علم بدیع:**

**علم بدیع:-** اس کے لفظی معنی کلام میں ندرت پیدا کرنا، کوئی اچھوتی بات کرنا یا زاویہ پیدا کرنے کے ہیں۔ علم بدیع میں الفاظ کے معنوی اور صوری حسن اور ان طریقہ ہائے استعمال کا مطالعہ کیا جاتا ہے جن کے ذریعے کلام کی معنوی یا ظاہری خوبصورتی میں اضافہ ہوتا ہے۔ لفظی خوبیوں کو صنائع لفظی اور معنوی خوبیوں کو صنائع معنوی کہتے ہیں۔
**صنائع لفظی:-** صنعت قلب، سیاقتہ الاعداد، ترصیع، تنسیق الصفات، صنعت التزام، صنعت تجنیس وغیرہ۔

**صنائع معنوی:** صنعت حسن تعلیل، لف ونشر، تضاد، سوال و جواب، مراعات النظیر، تلمیح، مبالغہ، تجاہل عارفانہ، صنعت لف ونشر، ادماج، صنعت ایہام، صنعت تعجّب وغیرہ۔

**صنعت قلب:-** دونوں لفظوں کے حروف ترتیب میں یکساں ہوں مگر حروف کی تقدیم وتاخیر میں اس طرح فرق کیا جائے جو حروف پہلے میں مقدم ہو وہ دوسرے میں مؤخر ہو۔

مثال:

وصف اس صرصر شیم کا کوئی لکھے یا پڑھے
ذہن دوڑے صورت رفرف زباں فرفر چلے

سیاقتہ الاعداد:- کسی شعر میں اعداد کے لانے کے التزام کو سیاقتہ الاعداد کہتے ہیں۔

کچھ تری بات کا ثبات نہیں
ایک ہاں ہے تو پانچ سات نہیں

**ترصیع:** جب کسی شعر کے دونوں مصرعوں کے الفاظ بالترتیب ایک دوسرے کے ہم وزن ہوں، ترصیع کہلاتا ہے۔

مثال:

اے شہنشاہ فلک منظر و بے مثل و نظیر
اے جہاندار کرم شیوۂ و بے شبہ و عدیل

**ایہام:-** ایہام کے لفظی معنی وہم میں پڑنا۔ جب کسی شعر میں ایسے لفظ کے دو معنی ہوں، ایک قریب کے، دوسرے بعید کے، قاری کا ذہن معنی قریب کی طرف چلا جاتا ہے۔ مگر شاعر کی مراد معنی بعید سے ہوتی ہے۔

مثال:

میکش کو ہوس ایاغ کی ہے
پروانے کو لو چراغ کی ہے

**حسن تعلیل:-** تعلیل کے معنی ہیں وجہ بیان کرنا۔ جب اصل وجہ کے بجائے شاعرانہ وجہ بیان کیا جائے، تو اسے حسن تعلیل

کہتے ہیں۔

مثلاً:

بلند سبزۂ ساحل چڑھا ہوا دریا
پئے زیارت مولا بڑھا ہوا دریا
بے سبب زلزلہ عالم میں نہیں ہے آتا
کوئی بے تاب تہِ خاک تڑپتا ہوگا

**لف ونشر:-** لف ونشر کے معنی ہیں لپیٹنے اور پھیلانے کے ہیں۔اصطلاح میں مطلب یہ ہے کہ پہلے چیزیں ایک ترتیب سے بیان کی جائیں، اس کے بعد وہی چیزیں یا اس کی مناسبت اسی ترتیب یا دوسری ترتیب سے پھر بیان کئے جائیں اگر دونوں مصرعوں میں ایک ہی ترتیب ہو تو اسے لف ونشر مرتب کہتے ہیں، اگر ترتیب ایک نہ ہو تو اسے لف ونشر غیر مرتب کہتے ہیں۔

مثال(لف ونشر مرتب):

ابرو[1] نے مژہ[2] نے نگہ[3] یار نے یارو
بے رتبہ کیا تیغ[1] کو خنجر[2] کو سنان[3] کو

مثال(لف ونشر غیر مرتب)

کبھی جو زلف[1] اٹھا دے تو منہ[2] نظر آوے
اسی امید پہ گزری ہے صبح[2] و شام[1] مری

**تضاد:-** اسے طباق بھی کہتے ہیں۔شعر میں ایسے الفاظ کا استعمال ایک ساتھ کیا جائے جس میں بہ اعتبار معنی تضاد پایا جائے۔

مثال:

ترے کوچے اس بہانے مجھے دن سے رات کرنا
کبھی اس سے بات کرنا کبھی اس سے بات کرنا
آتا نہیں خیال عذاب و ثواب کا
کیا حال پوچھنے چلے عہدِ شباب کا

**سوال وجواب:-** شعر میں سوال وجواب کے ذریعہ مکالمہ کی صورت پیدا کرنا۔

مثال:

پوچھا کہ طلب ، کہا قناعت
پوچھا کہ سبب ، کہا کہ قسمت

**تجنیس:-** ایسے دو لفظ جو صورت یا تلفظ کے اعتبار سے مشابہ ہوں، مگر ان کے معنی مختلف ہوں۔اس کی کئی صورتیں ہیں۔

**تجنیس تام:** ایسے دولفظ جو ہر صورت میں (انواع، اعداد، ترتیب اور حرکات وسکنات) یکساں اور مشابہ ہوں۔

مثال:

ذوقؔ کے ساتھ قدح ، ذوق سے پینا بھر کے

**تجنیس مرکب:** جب تجنیس کے دولفظوں میں ایک مفرد دوسرا مرکب ہو تو اسے تجنیس مرکب کہتے ہیں۔

مثال:

قاتل نے لگایا نہ کبھی زخم پہ مرہم
حسرت یہ رہی جی کی ہی جی میں گئے مر ہم

پہلا مرہم مفرد ہے یعنی دوا۔ جب کہ دوسرا مرہم مرکب یعنی ہم مر گئے۔

**تجنیس محرف:** تجنیس کے دونوں لفظ ہمہ وجوہ مشابہ ہوں، لیکن صرف حرکات وسکنات میں فرق ہو۔

مثال:

گلے سے لگتے ہی جتنے گِلے تھے بھول گئے
وگرنہ یاد تھیں ہم کو شکایتیں کیا کیا

**تجنیس ناقص وزائد:** جب تجنیس کے دولفظوں میں صرف ایک حرف کی کمی بیشی ہو جائے۔

مثال:

یوں نہ باتیں چبا چبا کے کرو
مہرباں بات ہے نبات نہیں

**مراعات النظیر :** اس کی تعریف یہ ہے کہ کلام میں ایسے الفاظ جمع کیے جائیں جن کے معنی میں ایک دوسرے کے ساتھ ایک نسبت واقع ہومگر یہ نسبت تضا دو تقابل نہ ہو۔

مثال:

رو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھیے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

**تلمیح:** کلام میں کسی مشہور تاریخی واقعہ، قصہ یا مسئلے یا قرآنی آیات کی طرف اشارہ کرنا، تلمیح کہلاتا ہے۔

مثال:

ہر سنگ میں شرار ہے تیرے ظہور کا
موسیٰ نہیں جو سیر کروں کوہِ طور کا

**مبالغہ:** کسی چیز یا شخص کی تعریف یا مذمت اس حد تک کرنا کہ سننے والے کو یہ گمان ہو کہ اس وصف یا ذم کا کوئی اور مرتبہ باقی نہ رہا۔ اس کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔تبلیغ ۲۔اغراق ۳۔غلو

**۱۔ تبلیغ:** جب کوئی بات عقل و عادت دونوں کے نزدیک **ممکن** ہو تو اسے **تبلیغ** کہتے ہیں۔

مثال:

پہنچے ہم آرزوے وصل میں نزدیک بہ مرگ
سوجھی ہے شکل ملاقات بہت دور ہمیں

**۲۔ اغراق:** جب کسی بات کا ہو جانا عقل میں تو آتا ہے **مگر** عادت کے لحاظ سے **ممکن** نہیں ہوتا۔

مثال:

گرگ نے دورِ عدل میں اُس کے
سیکھ لی راہ و رسمِ چوپائی

**۳۔ غلو:** جس بات کا دعویٰ کیا گیا ہو وہ عقل اور عادت دونوں اعتبار سے **ممکن** نہ ہو۔

آج پھر یاد آ گئے کچھ بیتے دن
آج پھر آنکھوں سے دریا بہہ گیا

**تجاہل عارفانہ:-** اس کے لغوی معنی جان بوجھ کر انجان بننے کے ہیں یعنی کسی چیز کی نسبت باوجود علم کے اپنی ناواقفیت ظاہر کرنا، تجائل عارفانہ کہلاتا ہے۔

مثال:

لطف اس کے بدن کا کیا کہوں پر
کیا جانیے جان ہے کہ تن ہے

**تنسیق الصفات:-** کسی شخص یا چیز کا ذکر اس کی صفات کے ساتھ کیا جائے اور ان صفات کا **تعلق** خواہ اس کی خوبی سے ہو یا

برائی سے۔

مثال:

بوسہ لیتا ہے جو منہ چڑھ کے برابر گیسو
کتنا گستاخ ہے بے ہودہ ہے خود سر گیسو

**ادماج:-** شعر میں ایسے الفاظ اور تراکیب کا استعمال کرنا جن سے مجموعی طور پر دو معنی یا دو مفہوم پیدا ہوتے ہوں۔ اور دونوں ہی اپنی جگہ درست، صاف اور واضح ہوں۔

مثال:

کیوں کر اس بُت سے رکھوں جان عزیز
کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز
ہے ہوا میں شراب کی تاثیر
بادہ نوشی ہے باد پیمائی

**ایہام تضاد:-** کلام میں ایسے دو لفظ جمع کئے جائیں جن کے ایک معنی میں تو باہم تضاد و تقابل نہ ہو، لیکن معنی حقیقی کے اعتبار سے تضاد پایا جائے۔

لکھ کر زمیں پہ نام ہمارا مٹا دیا
ان کا تو کھیل خاک میں ہم کو ملا دیا

# نوٹس